۲۴

اسلام میں ربا کی حرمت
اور
بلا سود سرمایہ کاری

واقیموا الوزن
بالقسط
ولا تخسروا المیزان

شریعۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۲۴)

اسلام میں ربا کی حرمت اور بلا سود سرمایہ کاری

ڈاکٹر محمود احمد غازی

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ☆ اسلام آباد

اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری

تالیف: پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس راجہ محمد منیر/ڈاکٹر منظور احمد الازہری

نگران منشورات: ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین

ناشر: شریعہ اکیڈمی،
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مطبع: ادارۂ تحقیقات اسلامی (پریس)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طبع: ہفتم

سال اشاعت: دسمبر ۲۰۰۷ء

قیمت:

فہرست مضامین

۱۔ تمہید	۱
۲۔ قرآن پاک میں حرمت سود کی آیات	۲
۳۔ حرمت سود کے بارہ میں چند احادیث	۶
۴۔ سود کی قباحتیں	۸
(۱) اخلاقی قباحتیں	۹
(۲) معاشرتی قباحتیں	۱۰
(۳) معاشی قباحتیں	۱۱
۵۔ شریعت کے اصولوں سے سودی کاروبار کا تعارض	۱۵
۶۔ چند شبہات و اعتراضات	۱۷
(۱) قرآن پاک میں ربا کی تعریف کا نہ ہونا	۱۷
(۲) حرمت ربا کا اضعافاً مضاعفہ تک محدود ہونا	۱۹
(۳) کرایہ مکان پر قیاس	۲۰
(۴) اضطرار	۲۰
(۵) کسی مفصل نقشہ کار کا نہ ہونا	۲۱
(۶) صرفی اور تجارتی سود	۲۱
۷۔ متبادل شکلیں	۲۳
(۱) بیع مرابحہ	۲۴
(۲) اجارہ	۲۶
(۳) مشارکہ	۲۷

(۴) مضاربہ ۲۹
(۵) بیع موجل ۳۱
(۶) بیع بالوفاء ۳۱
(۷) بیع سلم ۳۲
(۸) عقد استصناع ۳۴
(۹) مزارعت ۳۵
(۱۰) وقف کے اصول کا استعمال، صرفی قرضوں کے باب میں ۳۷
۸ - مزید مطالعہ کے لیے ۳۷

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبردِ آزمائی ”بستا“ زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہروہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی

انقلاب سے عبارت ہے ۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی، دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں، جن کو رائج الوقت قانونی، دستوری، اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو، جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اوراسلامی تعلیم کے مراکزمیں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کاہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ملک میں نفاذاسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشرو اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصرمدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء ، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

مطالعہ اسلامی قانون کورس کا آخری یونٹ "اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ یونٹ کورس کی اسکیم میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ وطن عزیز کے اصحاب فکر کو ایک طرف شریعت کے ایک اہم حکم کی حکمت اور مصلحت کا قدرے اندازہ ہو سکے اور دوسری طرف اسلامی قانون اور شریعت کے نفاذ اور اسلامی نظام کی عملی تطبیق کی راہ میں حائل ایک بہت بڑی بلکہ سب سے بڑی رکاوٹ اور اس کے نتیجہ میں پیش آمدہ مشکلات سے باخبر ہو سکیں۔ اگر سادہ زبان میں آج یہ سوال کیا جائے کہ دور جدید میں نفاذ اسلام کی راہ میں سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ تو اس کا ایک ہی جواب ہو گا "سودی نظام"۔ ذرا غور کیا جائے تو امت کو درپیش دوسرے بہت سے مسائل اسی ایک مسئلہ کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دوسرے مسائل کی بقاء سودی نظام ہی کی وجہ سے حاصل ہے۔ اگر دنیا کے کسی ایک اسلامی ملک میں سود سے پاک نظام معیشت اختیار کر لینے میں کامیابی حاصل ہو جائے تو یقین کیجئے اس کے بعد امت مسلمہ کے اتحاد کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد دنیا دیکھے گی کہ بیروزگاری، کساد بازاری اور افراط زر ہی نہیں دوسرے بہت سے سماجی مسائل جیسے اختلاط مرد و زن، بے حیائی، فحاشی، تعلیمی انحطاط اور اخلاقی بے راہ روی جیسی بیشتر خرابیوں کے اصل اسباب کی جڑ کٹ جائے گی۔ سودی نظام کے اس غیر معمولی اثر و نفوذ اور معاشرتی امور پر اس کے ان اثرات کے باعث اکیڈمی نے ضروری سمجھا کہ مطالعہ اسلامی قانون کورس میں ایک یونٹ اس بارہ میں بھی شامل ہو تاکہ اصحاب فکر مسائل کی نوعیت کو سمجھ سکیں۔

یونٹ کے آغاز میں تمہید کے بعد حرمت سود سے متعلق آیات اور احادیث کا انتخاب دیا گیا ہے۔ اس کے بعد سود کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی قباحتوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ سودی کاروبار کی وجہ سے جن جن شرعی اصولوں سے تعارض پیدا ہوتا ہے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جدید ذہن میں سود سے متعلق جو شبہات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے ہیں ان میں سے چند اہم شبہات کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد سودی لین دین سے پاک کاروبار کی بعض صورتیں تجویز کی گئی ہیں۔ یہ تجاویز یقیناً نئی اور تخلیقی نوعیت کی نہیں ہیں لیکن چونکہ ملک کا کاروباری طبقہ ان سے نامانوس ہے اس لیے ان حضرات اور بالخصوص سودی نظام میں پرورش پانے والے ذہنوں کے لیے ان تجاویز کا قبول کر لینا آسان نہیں ہے۔ بہرحال ذہنی تبدیلی کے بغیر شاید ہی دنیا میں کوئی بڑا کام مکمل ہو سکتا ہو۔ زیر نظر یونٹ ہی نہیں بلکہ ہمارا پورا کورس ہی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

عہد حاضر کے فقہی لٹریچر اور مباحث کا جائزہ لیا جائے تو عائلی قانون کے بعد غالباً سب سے زیادہ وقت اور وسائل سود اور اس کے متعلقہ موضوعات ہی کو دیئے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال امت کے عہد عروج میں نہیں تھی۔ اس زمانے کے مباحث کے اہم موضوعات زیادہ تر عقائد و عبادات اور معاملات ہی ہوا کرتے تھے۔ آج امت اپنی فعالیت کھو چکی ہے اور ایک طرح

سے دور انفعالیت سے گزر رہی ہے اس لیے اس کے مسائل بھی وہی ہیں جو ایک شکست خوردہ دور کے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے بہت سے اہل علم و فکر کا انداز دفاعی نوعیت کا ہو گیا ہے۔ سود کا مسئلہ بھی انہی مسائل میں سے ایک ہے۔ سود کے معاملہ میں اپنے ذہنوں کو صاف کرنے کے بعد ہی امت کے اصحاب دانش امید کر سکتے ہیں کہ اس شب ظلمت کے بعد صبح امید طلوع ہو گی اور تیرگی کا نقطہ انتہاء اجالے کا نقطہ آغاز ثابت ہو گا۔ شب ظلمت طویل تر تو ہو سکتی ہے لامتناہی نہیں۔

وطن عزیز کے اصحاب فکر، قانون دانوں، اساتذہ اور دانشوروں سے ایک دفعہ پھر گزارش ہے کہ ان موضوعات کے انتخاب، ترتیب اور حک و اضافے میں ہماری معاونت کریں۔ کہا جاتا ہے کہ تعمیری تنقید فی الحقیقت تعمیر ہی کی ایک شکل ہے۔ اکیڈمی امید کرتی ہے کہ ہماری اس معاونت میں آپ بخل سے کام نہیں لیں گے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور اس ناچیز کام میں حصہ لینے والے تمام اصحاب کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۲ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ
۲ مارچ ۱۹۹۸ء

تمہید

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں سود کو واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کم لوگ واقف ہیں کہ سود کی حرمت ان اساسی تعلیمات یا ضروریات دین میں سے ہے جن کے بارہ میں کسی قسم کا شک و شبہ انسان کو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ سود کو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں بھی بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے لیکن اس کا اندازہ کم لوگوں کو ہے کہ سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ شریعت نے اس کو اتنا بڑا جرم کیوں قرار دیا ہے۔ اس یونٹ میں حرمت ربا کے بارہ میں جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان سے اندازہ ہو گا کہ شریعت نے حرمت ربوا اور سود کے خاتمہ کے مسئلہ کو کتنا اہم قرار دیا ہے۔ اور سود کی وہ کون سی قباحتیں اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے اس کو اتنی سختی کے ساتھ روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضور ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل ذمہ، یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کے ساتھ معاہدے کیے۔ جن کے بموجب ان کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنی عیسائیت، یہودیت یا بت پرستی پر قائم رہتے ہوئے اسلامی ریاست میں آزادانہ اور باعزت زندگی گزار سکیں، حتیٰ کہ ان کو اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے شراب نوشی اور خنزیر خوری جیسے امور کی بھی اجازت دی گئی جو شریعت کی رو سے قطعاً حرام ہیں لیکن ان تمام آزادیوں کے باوجود ان کو سود خواری کی اجازت نہیں دی گئی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صراحت کی گئی کہ سودی کاروبار کی صورت میں یہ معاہدہ کالعدم متصور ہو گا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد غیر مسلم قبائل کے ساتھ معاہدے کیے اور ان کو بطور اہل ذمہ یہ حق دیا کہ وہ اپنے مشرکانہ نظریات پر قائم رہتے ہوئے اسلامی ریاست میں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے رہ سکیں۔ لیکن ان دستاویزات اور معاہدوں میں یہ بات صراحت سے ملتی ہے کہ اگر تم لوگوں نے سودی کاروبار کیا تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سود کو اتنا بڑا جرم قرار دیا تھا کہ کسی ایک فرد کا سودی کاروبار کرنا اس بات کے لیے کافی قرار پایا کہ اس کی پاداش میں پوری قوم سے معاہدہ دوستی و امن کو ختم کر دیا جائے۔

قرآن پاک کی جن آیات میں سود کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ سود خواروں کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ جیسے شیطان نے ان کو مس کر کے پاگل کر دیا ہو۔ قرآن مجید کی اس وعید کی ایک ہلکی سی

جھلک یہ ہے کہ خود اس دنیا میں سودی کاروبار کرنے والے اور بیک زبان اسلام کا دعویٰ کرنے والے حضرات ایسی ژولیدہ فکری کا شکار نظر آتے ہیں جس کی توقع ایک سنجیدہ اور معقول آدمی سے نہیں کی جا سکتی۔ ایک ہی شخص ایک دن حرمت سود کے خلاف ایک بات کہتا ہے اور جب دلائل اور منطق سے اس کو قائل کر دیا جائے تو دوسرے دن ایک دوسری بات کہنے لگتا ہے جو پہلی بات سے بالکل متعارض اور متناقض ہوتی ہے اور یہ یقین نہیں آتا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی شخص کی زبان سے یا قلم سے نکلی ہوں گی۔

اس یونٹ میں سود کے بارہ میں شریعت کے ضروری احکام، حرمت سود کے بارہ میں چند شبہات و اعتراضات اور اس کے متبادل نظام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہاں سود کے بارہ میں کوئی مفصل تحقیق پیش کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد سود کے ضروری احکام کو بیان کرنا اور اس کے بارہ میں الجھنوں اور غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے۔

قرآن پاک میں حرمت سود کی آیات

غالبا قرآن پاک کی سب سے پہلی آیت جس میں ربا کے ناپسندیدہ ہونے کا اشارہ ملتا ہے وہ سورہ روم کی آیت ۳۹ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ربا سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے، درست نہیں ہے۔ اللہ کی نظر میں یہ کوئی اضافہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس تم جو زکواۃ اور صدقات ادا کرتے ہو جن سے تمہارا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے تو وہی اصل اضافہ اور بڑھوتری ہے۔ سورہ روم قبل از ہجرت نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت کے تفصیلی احکام آنے سے پہلے ہی قرآن پاک نے مسلمانوں کو سود کے ناپسندیدہ ہونے سے باخبر کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں سود کی حرمت کا ذکر سب سے پہلے سورہ آل عمران کی درج ذیل آیت میں ملتا ہے۔

۱۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوا أَضْعَافًا مُّضَعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ (آل عمران، ۳: ۱۳۰۔ ۱۳۱)

اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کو کامیابی حاصل ہو اور ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

یہ آیت غزوہ احد کے ذکر میں بیان ہوئی ہے۔ بظاہر دونوں مین کوئی مناسبت نظر نہیں آتی کہ غزوہ احد کا ذکر کرتے کرتے یکایک حرمت سود کا یہ اعلان کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو واضح ہو

جاتا ہے کہ یہ ذکر بے جوڑ نہیں ہے۔ مفسرین نے یہاں حرمت سود کا ذکر کرنے کی کئی مصلحتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کو جس مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور خاصا جانی نقصان ہوا اس کی بڑی وجہ یہودیوں اور منافقین (جو در پردہ یہودیوں ہی کے ایجنٹ تھے) ساز باز تھی۔ یہودیوں کا مدینہ کے بازار اور تجارتی زندگی پر بڑا کنٹرول تھا اور قرب و جوار کے تمام عرب قبائل یہودیوں کے مقروض تھے۔ یہودی اپنے سودی قرضوں کے بل پر آس پاس کے عرب قبائل کو اپنے شکنجہ میں پھنسائے ہوئے تھے۔ اس سیاق میں حرمت سود کے ذریعے یہودیوں کے اس معاشی تسلط پر کاری ضرب لگائی گئی' اور اہل ایمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ پیغام دے دیا گیا کہ یہودیوں اور ان کے عالمی گماشتوں کے تسلط سے آزاد رہنے کا سب سے موثر ذریعہ انسداد سود ہے۔ اگر سود ختم کر دیا جائے تو یہودیوں اور ان کے کارندوں کی معاشی بالادستی سے نجات حاصل کر لینا بہت آسان ہو جاتا ہے (شاید یہی وجہ ہے کہ جب بھی سود کے خاتمہ کی بات کی جاتی ہے تو اس پر سب سے بڑا اعتراض یہود و ہنود کے کارندوں کو ہی ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے سود خوار بھائی ہیں)۔ غزوہ احد میں بعض مسلمانوں سے کمزوری سرزد ہوئی جس سے کفار نے فائدہ اٹھا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس کمزوری کا ایک اہم سبب سود خواری بھی تھا۔ سود سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ اور ظلمت اعمال صالحہ کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

مسلمانوں کو غزوۂ احد میں جس چیز نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا وہ بعض مجاہدین کا مال غنیمت کے حصول میں اپنا مورچہ چھوڑ دینا تھا۔ یہ چیز حب مال کی وجہ سے تھی جو اگر جڑ پکڑ لے تو سود خواری اور قمار بازی تک لے جا کر چھوڑتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس جذبہ کو ابتدا ہی میں ختم کر دینے کے لیے حرمت سود کے احکام نازل فرما دیئے تاکہ حب مال کا میلان فطری حدود سے تجاوز نہ کرے۔

جہاد کی روح جان و مال کو بے دھڑک قربان کر ڈالنے کا جذبہ ہے۔ اگر یہ جذبہ ذرا بھی کمزور ہو تو جہاد کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک مجاہدین اسلام میں سود خواری کے جراثیم پیدا نہیں ہوئے اور سود خواروں کو جہاد کی توفیق نہیں ہوئی۔ جہاد بالمال اور سود خواری ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں دوگنے چوگنے سود کی ممانعت کی گئی ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوگنے چوگنے سے کم سود لینا جائز ہے۔ اول تو قرآن اور احادیث نبوی ﷺ کے دوسرے صریح احکام میں ہر قسم کا سود حرام قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ انداز بیان سود کی شناعت اور قباحت کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

۲ - اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ، هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ '۲:۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح اٹھتے ہیں (یا اٹھیں گے) جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان نے اپنے مس سے حواس باختہ کر دیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی تو ربا ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ خرید و فروخت کو اللہ نے جائز اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس شخص کو اپنے رب کی نصیحت ہوئی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا وہ تو اس کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن اگر کوئی دوبارہ یہ کام کرے تو ایسے ہی لوگ جہنم والے ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ان آیات میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ نہ صرف ربا کی حرمت ہے بلکہ ربا اور خرید و فروخت کے مابین ایک فرق کی نشاندہی بھی ہے۔ قرآن پاک نے دونوں کو ایک جیسا قرار دینے والوں کو مخبوط الحواس اور بدعقل قرار دینے پر اکتفا کیا ہے اور ان دونوں کے مابین فرق کی تفصیلات بیان کیں۔ گویا قرآن پاک نے اس فرق کو ایسی واضح اور دو ٹوک چیز سمجھا ہے جس کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے۔

ان دونوں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ خرید و فروخت میں زائد روپیہ کسی کام یا مال کا معاوضہ ہوتا ہے لیکن ربا میں سود خوار جو زائد دولت وصول کرتا ہے وہ نہ کسی مال کا معاوضہ ہوتی ہے نہ کام کا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بیع اور خرید و فروخت تجارت کو فروغ دیتے ہیں جس سے دولت پھیلتی ہے۔ لیکن ربا میں دولت سمٹتی چلی جاتی ہے اور سود خوار دولت مند ہوتا چلا جاتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ کاروبار میں ہر شخص اپنے قبضہ میں موجود مال کے نفع اور نقصان دونوں کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن ربا میں سود خوار صرف نفع کا حقدار ہوتا ہے اور نقصان کی ذمہ داری مقروض پر ڈال دیتا ہے۔ بیع اور ربا میں چوتھا بڑا فرق یہ ہے کہ معاملہ بیع ایک بار ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور دونوں فریق اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس سود خوار بیشتر صورتوں میں اپنے مقروض کی جان نہیں چھوڑتا اور اس کے مطالبات پورے ہونے میں نہیں آتے، خاص طور پر سود در سود کی لعنت سے خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

بیع اور ربا میں پانچواں بڑا فرق یہ ہے کہ بیع میں نفع کی جو بھی شرح طے ہو وہ ایک بار وصول ہو جائے تو اس کے بعد بائع کے مطالبات ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن سود خوار کے مطالبات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منافع اور وصولیابی کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

خریدوفروخت پر مبنی کاروبار اور ربا میں چھٹا فرق یہ ہے کہ خریدوفروخت میں انسان کی محنت' صلاحیت' ذہانت اور وقت سب صرف ہوتے ہیں جب جا کر کچھ نفع ہوتا ہے۔ لیکن سود خوار بغیر کسی محنت اور وقت کے صرف کیے سود اور منافع وصول کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت شریک تجارت یا شریک کاروبار کی نہیں رہتی۔

اس طرح کے اور بہت سے فرق ہیں جنھوں نے خرید و فروخت اور ربا کو ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز کر دیا ہے اور قرآن پاک نے اسی اختلاف و امتیاز کے پیش نظر ایک کو حلال و طیب اور دوسرے کو قطعی حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (بقرہ' ۲:۲۷۶)

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور یاد رکھو اللہ کسی نافرمان کافر کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ سود درحقیقت ترقی کے بجائے تنزل کا سبب ہے۔ نہ سود کے مال میں برکت ہوتی ہے کہ اس سے اطمینان اور سکون میسر ہو اور نہ کسی معاشرہ میں حقیقی معاشی انصاف قائم ہو سکتا ہے اور نہ سود خوار کو آخرت میں کوئی فلاح نصیب ہو گی۔ اس کے برعکس صدقات سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے' صدقہ دینے والا اطمینان قلبی اور سکون روحانی کی دولت سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے۔ مزید برآں جس معاشرہ کی اساس صداقت' اخوت اور رحمت پر ہو' وہاں حقیقی معاشی انصاف بھی قائم ہوتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ سود کا مال کتنا بھی بڑھ جائے اس کا انجام افلاس ہی ہوتا ہے۔ معاشیات کی تاریخ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کسی سودی معاشرہ میں جب کساد بازاری آتی ہے (جو سودی نظاموں میں عموماً ناگزیر بتائی جاتی ہے) تو وہ ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہوتا ہے جس کی مثال کسی غیرسودی معاشرہ میں نہیں مل سکتی۔ تجارت اور کاروبار میں جتنی تیزی سے اتار چڑھاؤ سودی نظام میں آتے ہیں' غیرسودی نظام اس سے بڑی حد تک محفوظ رہتا ہے۔ تجارتی چکر یا ٹریڈ سائیکل کے بارہ میں ماہرین معاشیات جو کچھ کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر ایک سودی نظام کے اساسی تصورات پر مبنی نظام پر ہی صادق آتا ہے۔

۴۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ
وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
(بقرہ ۲:۲۷۸ـ۲۸۰)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو جو ربا بچ گیا ہے (واجب الادا ہے) اس سے دستبردار ہو جاؤ' لیکن اگر تم ایسا نہ کرو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے لیے اعلان جنگ ہے۔ ہاں اگر تم تائب ہو جاؤ تو تمہیں اپنے اصل سرمایہ لینے کا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو اس وقت تک مہلت دو جب تک خوشحالی حاصل نہ ہو جائے۔ اور اگر (ایسے تنگ دست کو) بطور صدقہ چھوڑ دو تو یہ تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے بشرطیکہ تمہیں (ان حقائق کا) علم ہو۔

ربا کے بارہ میں یہ آخری آیت ہے جو حجتہ الوداع سے ذرا پہلے نازل ہوئی۔ اس میں تمام سابقہ سودی دعاوی اور واجب الادا رقموں کو کالعدم کر دیا گیا۔ اس حکم کا مزید اعلان و اشتہار رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہرہ آفاق خطبہ حجتہ الوداع میں فرما دیا اور اس حکم پر سب سے پہلے عمل کرتے ہوئے اپنے چچا حضرت عباس ؓ کے تمام سودی معاملات کالعدم قرار دے دیئے بلکہ غیر مسلموں تک کے ذمہ مسلمانوں کی جو رقمیں واجب الادا تھیں وہ بھی کالعدم کر دیں۔

یہاں قرآن پاک نے راس المال کی اصطلاح استعمال کی ہے جو اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ یہ حکم تجارتی اور سرمایہ کاری سود پر بھی یکساں طور پر منطبق ہو گا۔ جیسا کہ معلوم ہے' قریش کے سودی کاروبار میں بیشتر سود تجارتی نوعیت ہی کا ہوتا تھا' اس لیے کہ اول تو صرفی قرضے لینے والے وہاں تھے ہی برائے نام' دوسرے عرب روایات کے بموجب جہاں غریب کی مدد' مہمان نوازی اور سرپرستی ایک خوبی تھی۔ اس ماحول میں یہ بات بعید از تصور ہے کہ سرداران قریش اور بالخصوص حضرت عباس ؓ جیسے مخیر اور دریا دل بزرگ غریبوں کو صرفی قرضے بھی سود پر دیتے ہوں۔ ایسے لوگ وہاں اگر ہوں گے بھی تو بہت معمولی اقلیت میں ہی ہوں گے جو غریب سے اس کی ذاتی ضروریات کی رقم میں سے بھی سود وصول کرتے ہوں۔

حرمت سود کے بارہ میں چند احادیث

یہ قرآن پاک کی وہ آیات ہیں جن میں سود کی حرمت کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کرایا گیا ہے۔

حرمت سود کے بارہ میں جو احادیث آئی ہیں ان میں مزید تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان احادیث کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کو اس مختصر یونٹ میں بیان کرنا مشکل ہے تاہم ان میں سے چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول الله وما هن؟ قال صلى الله عليه وسلم الشرک بالله و اکل الربوا (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

سات تباہ و برباد کر ڈالنے والے امور سے بچو۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! وہ تباہ و برباد کر ڈالنے والے امور کون سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا.... .. اور سود کھانا....

(۲) لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربوا و موکله و کاتبه و شاهدیه و قال هم سواء (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے چار لوگوں پر لعنت فرمائی ہے! سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سود کی دستاویز لکھنے والے پر، سود کے بارہ میں گواہ بننے والوں پر، اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

(۳) الربوا ثلاث و سبعون بابا ایسرها مثل ان ینکح الرجل امه (حاکم و مثلہ عن البیہقی وغیرہ)

گناہ کے لحاظ سے سود کے تہتر درجات ہیں۔ ان میں سب سے کم درجہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

(۴) ما احد اکثر من الربوا الا کان عاقبة امره الی قلة (حاکم، ابن ماجہ)

جس شخص نے سودی کاروبار کیا، اس کا انجام ہمیشہ مال کی کمی اور نقصان پر ہوا۔

(۵) لیاتین علی الناس زمان لایبقی منهم احد الاآکل الربوا۔ فمن لم یاکله اصابه من غباره (ابوداؤد، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایسا وقت آنے والا ہے کہ کوئی بھی سود کھانے سے نہیں بچ سکے گا۔ اگر کوئی شخص براہ راست سود نہیں کھائے گا تو اس کے گرد و غبار (اثرات) سے ضرور متاثر ہو گا۔

(۶) سالت عائشة (رضی الله عنها) فقلت بعت زید بن ارقم جاریة الی العطاء بثمانمائه، وابتعتها منه بستمائة فقالت عائشة (رضی الله عنها) بئس والله ما اشتریت! ابلغی زید بن

ارقم انه قد ابطل جهاده مع رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم الا ان یتوب قالت۔ افرایت ان اخذ ت راس مالی؟ قالت! لاباس! من جاءہ موعظة من ربه فانتھی فله ماسلف۔ و ان تبتم فلکم رءوس اموالکم (عبدالرزاق)۔

(حضرت ابو سفیان ؓ کی زوجہ کہتی ہیں کہ) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور کہا! کہ میں نے زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم ادھار میں ایک لونڈی بیچی اور طے ہوا کہ وہ رقم وظیفہ ملنے پر ادا کر دیں گے۔ پھر میں نے فوراً ہی وہ لونڈی ان سے چھ سو میں خرید لی۔ حضرت عائشہ نے یہ سن کر فرمایا تم نے بہت برا سودا کیا ہے' زید کو بتا دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہوں نے جو جہاد کیا تھا وہ سارے کا سارا ضائع ہو گیا ہے' ہاں اگر وہ توبہ کر لیں تو پھر نہیں۔ میں نے پوچھا کہ اگر میں ان سے اپنی اصل رقم ہی واپس لے لوں؟ آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے (پھر آپؓ نے قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں)۔ "اس لیے کہ جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ اس کے نتیجہ میں باز رہا تو اس کو اتنا ہی ملے گا جتنا اس نے آگے بھیجا۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تم کو اپنے اصل سرمایے ملیں گے"۔

سود کی قباحتیں

اسلام ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام پر مبنی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ معاشرہ میں باہمی اخوت اور ہمدردی دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں افراد کا باہمی تعلق اور لین دین تعاون' مواسات اور ہمدردی کا ہوتا ہے۔ ان اقدار کی نشوونما اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے اسلام نے ظلم و استحصال کے تمام ممکنہ راستوں کو ایک ایک کر کے بند کیا ہے اور ان تمام امور کو پسندیدہ ٹھہرایا ہے جن سے باہمی تعاون و تکافل کے جذبہ کو جلا ملتی ہے۔

سود جو ذہنیت پیدا کرتا ہے وہ قدم قدم پر اسلام کی اقدار سے ٹکراتی ہے۔ سود خوار کا مقصد ہی دوسرے کی ضرورت سے فائدہ اٹھا کر اپنی جیب بھرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا سود خوار کے ہاں اخوت اور باہمی ہمدردی بے معنی یا کم از کم غیر متعلق الفاظ ہوتے ہیں۔ آئندہ چند صفحات میں سود کی ایسی چند قباحتیں ذکر کی جا رہی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ سود خواری اسلام کی تعلیمات سے کس طرح اور کہاں کہاں متصادم ہوتی ہے۔ ان قباحتوں کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ یعنی اخلاقی قباحتیں' معاشرتی قباحتیں اور معاشی قباحتیں۔

اخلاقی قباحتیں

۱۔ سود ایک ایسے ظالمانہ سلسلہ کی بنیاد رکھ دیتا ہے جس میں آنے والا ہر دن ظلم کے اس سلسلہ کو پھیلاتا چلا جاتا ہے ہر کاروبار ایک نئے سودی چکر کا آغاز کر دیتا ہے جو لوگوں کی امیدوں اور آرزوؤں کو روندتا چلا جاتا ہے اور کسی کے دل میں ذرہ برابر ٹیس نہیں اٹھتی کہ کس مظلوم کا گھر لٹا' کس بے کس کی رہی سہی پونجی ڈوبی اور کس بے سہارا کا سہارا ڈھے گیا۔ یہ سنگدلانہ مزاج سود خواری کا لازمی نتیجہ ہے۔ ایک بار جب یہ کٹھور پن پیدا ہو جائے تو ایک ایک کر کے انسانی ہمدردی' اخلاق اور اخوت کے سارے عناصر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں۔

۲۔ سود کے نتیجہ میں خود غرضی جنم لیتی ہے اور انسان کا یہ مزاج بن جاتا ہے کہ وہ اپنے نفع اور اپنے کاروبار کی کامیابی سے بحث رکھے اور دوسرے کے نقصان سے اس کو کوئی سروکار نہ رہے۔ مقروض کے گھر فاقے پڑ رہے ہیں یا ہن برس رہا ہے' یہ سود خوار کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی دلچسپی صرف اتنی ہے کہ وہ مقررہ وقت پر اپنی اصل رقم مع سود وصول کر لے۔ چاہے اس کے نتیجے میں کسی کو گھر کے برتن اور تن کے کپڑے ہی کیوں نہ بیچنے پڑ جائیں۔

۳۔ سود خوارانہ نظام میں انسان کی حیثیت ثانوی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا خیال اس سے بھی کم تر حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور مال و دولت کو اولین ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کی محنت ایک بے قیمت اور بے حیثیت شے بن کر رہ جاتی ہے اور سرمایہ اصل مقصود قرار پاتا ہے۔ انسانی محنت کے ضیاع پر کسی کا دل نہیں دکھتا' ہاں اپنے چار پیسے کے ضیاع پر سود خوار برسوں آہیں بھرتا ہے۔

۴۔ سودی نظام میں پھنس کر انسان رزق حلال کی لذت کو بھول جاتا ہے۔ خون پسینہ بہا کر محنت کی کمائی میں جو برکت اور پاکیزگی ہوتی ہے وہ گھر بیٹھے مفت کی کھانے والے کو نصیب نہیں ہوتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طبیعت اس کی عادی ہوتی جاتی ہے اور ایک مرحلہ پر رزق حلال کے تصور سے اس کی طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔

۵۔ سود خوار مال و زر کی محبت میں اتنا کھو جاتا ہے کہ اس کے لیے مال کا واحد محرک مزید مال کا حصول ہو جاتا ہے اور یہ چیز رفتہ رفتہ تمام خوبیوں کو چاٹ جاتی ہے۔ حرص اور لالچ سود خوار کے

رگ و پے میں رچ بس جاتے ہیں، دوسرے کی جیبیں خالی کرا کے اپنی جیب بھرنا اس کا سب سے طاقتور جذبہ بن جاتا ہے۔

۶۔ جب ایک بار حرص اور لالچ کے بھوت سود خوار پر سوار ہوتے ہیں تو اس کا دماغ صرف کسب مال اور جلب زر کی نت نئی تدبیریں سوچنے میں لگ جاتا ہے اور ابلیسی ذہن اور قارونی طبیعت اس کو قمار بازی اور جوئے کے راستے پر ڈال دیتی ہے جو سود سے بھی زیادہ آسان راستہ ہے۔ ایک بار جب گھر بیٹھے مفت کھانے کی لت پڑ جائے تو انساں ہر آسان راستہ اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ قمار بازی اور جوئے میں یہ چیز بہ سہولت حاصل ہونے کا امکان رہتا ہے اور ایک بار جب جوئے کی لت پڑ جائے تو انسان انسانیت کی بلندی سے گر کر اسفل السافلین پستی میں جا گرتا ہے۔ جوئے میں گھر بار، اہل خانہ، بیویاں اور بیٹیاں داؤ پر لگا دینے کی دالخراش کہانیاں کس کے علم میں نہیں ہیں۔

معاشرتی قباحتیں

ان خرابیوں کے علاوہ متعدد ایسی معاشرتی برائیاں ہیں جو سود کے نتیجہ میں پورے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کے جراثیم کو پھیلا دیتی ہیں۔ یہاں چند ایسے معاشرتی مفاسد کی نشاندہی کی جا رہی ہے جو سودی نظام کے براہ راست نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں اور نہ صرف جدید دنیا بلکہ دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

۱۔ سود کے نتیجہ میں دولت کا جو ہولناک ارتکاز ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ چند سود خوار ہوتے ہیں جو ملک کی دولت کو کنٹرول کرتے ہیں، ملک کے تمام وسائل پر قابض ہو کر من مانیاں کرتے ہیں، دوسری طرف وہ کروڑوں افراد ہوتے ہیں جو انہی بنیادی ضرورتوں ہی کو ترستے رہتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان پہلے معاشرتی دوری پیدا ہوتی ہے پھر معاشی حد بندی قائم ہوتی ہے جو ناپسندیدگی اور نفرت کے بعد کینہ اور جنگ و جدال کے مناظر پیش کرتی ہے۔ اور یوں ایک نہ ختم ہونے والی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر بے محنت اور بے مشقت دولت حاصل ہو تو اس کی قدر نہیں ہوتی۔ جن معاشروں میں دولت کی ریل پیل کسی طبقہ میں گھر بیٹھے اور بغیر خون پسینہ بہائے ہونے لگے وہاں کئی اجتماعی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ لوگ فضول خرچی میں مقابلہ بازی شروع کر دیتے ہیں۔

جس کا معاشی اثر ان چند سو یا چند ہزار خاندانوں پر تو کوئی خاص نہیں پڑتا جہاں دولت کی بہتات ہوتی ہے لیکن وہ لاکھوں خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں جن کے پاس مفت کی آمدنی یا تو نہیں ہے یا ان کے پاس اس کے وسائل و اسباب مہیا نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کی مفلسی سے نہیں بلکہ بسیار زری کے اندیشہ سے پریشان رہتے تھے۔

۳۔ سودی لین دین کی بنیاد پر قائم معاشرہ کبھی کسی مضبوط اخلاقی بنیاد پر استوار نہیں ہو سکتا۔ اس میں وہ یکجہتی اور فراخدلانہ تعاون پیدا نہیں ہو سکتا جس کی توقع اسلام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم اسلام کی معاشرتی اقدار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے تصور تکافل و تضامن کی بات کرتے ہیں تو آج کا ایک عام تعلیم یافتہ فرد جو دینی اقدار سے نامانوس ہو وہ اس طرح حیرت سے دیکھتا ہے جیسے کوئی ناقابل عمل بات کہی جا رہی ہو۔

یہ معاشرتی مفاسد سودی نظام میں لازماً پیدا ہوتے ہیں اور پورے معاشرہ کو گھن کی طرح اندر ہی اندر چاٹ جاتے ہیں۔ بظاہر معاشرہ اور معاشرتی ادارے پھیلتے اور پھولتے نظر آتے ہیں لیکن وہ اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہوتے ہیں اور زمین بوس ہونے کے لیے کسی معمولی سے بہانے کے منتظر رہتے ہیں۔

معاشی قباحتیں

مشرق و مغرب دونوں جگہ کے ماہرین معاشیات اب اس نتیجہ پر پہنچتے جا رہے ہیں کہ سودی نظام سے اقتصادی اور معاشی میدان میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سود کو دنیا سے ختم کر دیا جائے۔ دور جدید میں مغربی معاشیات کا امام "لارڈ کینز" لکھتا ہے کہ جب تک دنیا سے سود کو ختم نہیں کر دیا جائے گا، بے روزگاری کا مسئلہ حل طلب رہے گا۔ کینز کے نزدیک سرمایہ دار طبقہ کی استحصالی قوت کو توڑنے کا سب سے موثر راستہ سود کو کالعدم کر دینا ہے۔

سود کے مفاسد اور نقصانات پر کینز وغیرہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تلخیص ہمارے ملک کے نامور محقق اور ماہر معاشیات پروفیسر شیخ محمود احمد مرحوم نے اپنی مختصر تالیف "سود کی متبادل اساس" میں دی ہے۔ انہوں نے سود کے درج ذیل سولہ نقصانات بتائے ہیں۔

۱۔ سود کی وجہ سے سرمایہ کی کارکردگی محدود ہو جاتی ہے۔ تعمیری عمل اپنی قدرتی وسعت کے اعتبار سے نہیں پھیلتا۔ راقم الحروف (یعنی پروفیسر صاحب مرحوم) کے علم کی حد تک کوئی ماہر معاشیات ایسا

نہیں جس نے شرح سود اور سرمایہ کی صلاحیت کار کے درمیان منفی تعلق کو تسلیم نہ کیا ہو۔ اس منفی اثر کی وجہ سے کئی قدرتی وسائل کی تسخیر رک جاتی ہے۔ بالخصوص چھوٹے کام جن میں سود کا بوجھ اٹھانے کی سکت کم ہوتی ہے یا وہ شروع ہی نہیں کئے جا سکتے یا شروع کرنے کے بعد نقصان اٹھا کر چھوڑنے پڑتے ہیں۔

۲ - بہت سے لوگ جو روزی کے آرزو مند ہوتے ہیں انہیں روزی نہیں مل سکتی اور چونکہ ہر ایک میں سرمایہ حاصل کر کے چھوٹے موٹے کاروبار کرنے کی سکت نہیں ہوتی نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سود کا استحصالی بوجھ اٹھانے کی کوئی بڑی قوت ہوتی ہے اور نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سرمایہ دار کو قرض دینے میں کوئی مسرت ہوتی ہے اس لیے بیروزگار انسان روزگار کے حصول پر کوئی قدرت نہیں رکھ سکتے۔

۳ - جن کاموں کو سود کے بوجھ کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے ان میں منافع کی شرح کو اونچا رکھنا ضروری رہتا ہے۔ کیوں کہ ناظم کار کو سود کی وجہ سے پیدا ہونے والے مختلف خطرات کے خلاف ادائیگی کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ لہٰذا منافع خوری میں حد سے آگے چلنے والے کا جو اسلوب تجارت اور صنعت میں نظر آتا ہے وہ سود کی وجہ سے ہے۔

۴ - مکان یا دکان کا کرایہ انتہائی طور پر چڑھ جاتا ہے کیونکہ ان کی مالیت پر اس کی شکست و ریخت کی ادائیگی کے علاوہ سود شامل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا کرائے کے منافع کی سطح کو اونچا کرنے کی بنیاد مہیا ہو جاتی ہے۔

۵ - منافع کو اونچا رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مزدوروں کو پورا معاوضہ نہ دیا جائے۔ یہ محرومی طبقاتی کشمکش کی بنیاد بن جاتی ہے۔

۶ - اشیاء مسلسل گرانی کا شکار ہوتی چلی جاتی ہیں اور غرباء کو اپنی ضروریات زندگی کے حصول میں اذیت ناک محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۷ - چیزوں کی مانگ اتنی نہیں ہوتی جتنی اگر قیمتوں کو صحیح سطح پر رکھا جا سکتا تو ممکن ہوتی، لہٰذا کساد بازاری کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔

۸ - ہر قسم کی پیداوار کو اس سطح سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا جس سے منافع کی بلند ترین سطح ممکن

ہو سکے۔ یہ سودی نظام کا ایک بنیادی طریق کار ہے' اس کا اظہار ہر ملک میں اور ہر قسم کی پیداوار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا سب سے خوبصورت مظہر امریکہ کی پالیسی ہے جس کے تحت حکومت کم و بیش بارہ ارب ڈالر سالانہ محض زرعی پیداوار کم کرنے پر صرف کرتی ہے۔ اور چونکہ اتنی بڑی رقم آسانی سے حاصل نہیں ہوتی اس لیے یہ رقم سودی قرض پر حاصل کی جاتی ہے۔ انسان کی محرومی اور سرمایہ کی طاقت کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال شاید دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہ مل سکے۔

۹ ۔ سودی نظام میں سرمایہ دار طبقہ حکومت کو یقین دلاتا ہے کہ کساد بازاری کی وجہ سے حکومتوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ لہٰذا لوگوں کو روزگار اور قوت خرید مہیا کرنے کے لیے حکومتوں کو اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے بہت زیادہ رکھنے چاہئیں۔ چنانچہ دنیا کی بیشتر حکومتیں سرمایہ دار طبقہ کی اس چال میں گرفتار ہیں جس میں پاکستان کی حکومت بھی شامل ہے۔

۱۰ ۔ سود خوار طبقہ انہی حکومتوں کو اپنے استحکام کا ذریعہ بنا لیتا ہے' وہ نہ صرف افراد اور اداروں کی آمدنی کے ایک معتدبہ حصہ کا مالک بن جاتا ہے بلکہ آمدنی کے اس کثیر حصہ پر بھی قابض ہو جاتا ہے جو قرضوں پر سود کی شکل میں حکومتوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تابع تمام حکومتوں کا وہی حال ہے جو پاکستان کا ہے کہ ہر سال کھربوں روپیہ قرض لیا جاتا ہے اور اربوں روپیہ سالانہ سود ادا کیا جاتا ہے۔

۱۱ ۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں' نچلا اور متوسط طبقہ بے روزگاری اور گرانی میں پستا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ اپنی سود کی غیرمحدود آمدنی پر گل چھرے اڑاتا نظر آتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے خوبصورت الفاظ میں ایک طرف "دولت کا ورم" اور دوسرے طرف معاشی لاغری پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں نفرت کا لاوا کروڑوں انسانوں کے سینے میں جمع ہونا شروع ہوتا ہے۔

۱۲ ۔ ہر ملک کوشش کرتا ہے کہ اس کی برآمدات بڑھیں اور درآمدات کم ہوں تاکہ ملک کے اندر بیروزگاری جسے سود نے پیدا کیا ہے' برآمدات میں پھیلاؤ کی مدد سے دوسرے ملکوں میں منتقل ہو سکے' چونکہ باقی ملک بھی اسی بیماری کے مریض ہوتے ہیں' اس لیے کوئی ملک اس سمت میں کوئی واضح کامیابی حاصل نہیں کر سکتا' البتہ بین الاقوامی کھنچاؤ بڑھتا چلا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کی شدت

جنگ کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

۱۳ ۔ سود نام ہی روپے کو انسان پر برتری دینے کا ہے۔ کیونکہ یہ انسان کی محنت کے نتیجے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا بلکہ اگر انسانی محنت ضائع ہو جائے تب بھی سرمایہ دار اپنا سود چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا لہٰذا کچھ تعجب نہیں کہ نئی تہذیبی روایت میں شرافت، رزق حلال اور انسان کی قیمت مسلسل گرتی چلی جاتی ہے اور لالچ، حرص اور لوٹ کھسوٹ سب سے موثر اور توانا جذبے بن جاتے ہیں۔

۱۴ ۔ ماہرین معاشیات آج حیران ہیں کہ ان بیماریوں کا کیا علاج کریں، لیکن باوجود علم کی دسترس کے سود کے نتائج کو دور کرنا سود کو دور کیے بغیر ممکن نظر نہیں آتا اور چونکہ سود کو دور کرنا انہیں قابل قبول نہیں اس لیے ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے پاس بے روزگاری کے جتنے علاج ہیں وہ گرانی بڑھانے والے ہیں۔ ماہرین معاشیات کی یہ بے بسی قابل رحم بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔

۱۵ ۔ سودی نظام کی وجہ سے معاشی ناہمواری، اندرونی کھنچاؤ، بیرونی دباؤ اور کساد بازاری کے خطرے ہر وقت سر پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ لہٰذا بینک اپنے پاس آنے والا سب روپیہ قرض پر نہیں دیتے بلکہ اس کا کچھ حصہ ریزرو میں رکھتے ہیں تاکہ اگر یک دم مانگ آئے تو اسے چکایا جا سکے۔ جتنا ریزرو اونچا ہو گا، اتنا ہی سرمایہ کی فراہمی محدود ہو گی۔ اگر ریزرو ۳۳ فیصد ہو تو بچتوں کا تین گنا قرض دیا جا سکتا ہے۔ اگر پچیس فیصدی ہو تو چار گنا، اگر بیس فیصدی ہو تو پانچ گنا، اگر دس فیصدی ہو تو دس گنا قرض دیا جا سکتا ہے، اب مثلاً ہمارے ملک میں ۴۵ فیصدی ریزرو رکھا جاتا ہے چنانچہ دوگنا سے کچھ ہی زیادہ قرض دیا جا سکتا ہے۔

سرمایہ کی رسد میں اس مصنوعی کمی کے ساتھ ساتھ اس کی مانگ میں حکومت کے خسارے کے بجٹ کے توسط سے اضافہ کروا لیا جاتا ہے تاکہ سود کی سطح مستحکم رہے۔

گویا سود ایک خود کار نظام ہے جس میں سرمایہ ہمیشہ ضرورت سے کم رہے گا تاکہ اس کی کامیابی کی قیمت اسے ملتی رہے، اس استحصال کے تسلسل میں کبھی کمی نہیں آ سکتی، کیونکہ اس کے مستقبل کی حفاظت خود اس کا طریق کار کرتا ہے۔

۱۶ ۔ سود خوار اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کے لئے ہر چیز کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ چنانچہ جب عوام اپنی محرومیوں کے خلاف آواز اٹھانا شروع کرتے ہیں تو سود خوار منافع کو معاشی برائیوں کی جڑ

کے طور پر آگے پیش کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف رد عمل بجائے سود کے خلاف موثر اقدام کرنے کے سوشلزم کی راہ اختیار کرتا ہے جس میں منافع کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کی ذاتی جائیداد ختم کر دی جاتی ہے اور تمام چیزیں بشمول زمین' مکان' کارخانہ وغیرہ قومیا لی جاتی ہیں۔ لیکن لطیفہ یہ ہے کہ اصل چور کو وہاں بھی کوئی نہیں پکڑتا' بینک میں رکھی رقم نہ تو قومیائی جاتی ہے نہ اس پر سود کی ادائیگی بند ہوتی ہے۔ سوائے چین کے وہاں ڈیپازٹ پر سود کی ادائیگی کی شرح گرا کر نصف فیصد کے قریب رکھی گئی تھی۔

پروفیسر شیخ محمود احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ ان سولہ نتائج کی نشان دہی ظاہر کرتی ہے کہ سود کے مفاسد اور خرابیاں پورے طور پر دریافت کرنے میں ہم نے ابھی چوتھائی راستہ بھی طے نہیں کیا۔ کیونکہ ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے وبال تہتر (۷۳) قسم کے ہیں اور سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کا مستحق ٹھہرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ماں کے ساتھ زنا سے ستر گنا زیادہ بڑا گناہ ہے۔

شریعت کے اصولوں سے سودی کاروبار کا تعارض

مذکورہ بالا اخلاقی' معاشرتی اور اقتصادی قباحتوں کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ سودی نظام اور سود پر مبنی کاروبار اسلامی معاشرہ کی بنیادی اقدار سے اتنا متعارض ہے کہ دونوں بیک وقت قائم نہیں رہ سکتے۔ یوں تو سودی کاروبار کا شریعت کے بہت سے اصولوں سے تعارض ہے جن کی تفصیل یہاں بیان کرنا دشوار ہے' تاہم اس چند اہم اقدار و تعلیمات کا یہاں ذکر کرنا مفید ہو گا جو سودی کاروبار کی موجودگی میں قائم نہیں رہ سکتیں۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد جن اصولوں پر ہے وہ یہ ہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے کفیل ہوں' مسلمان ایک دوسرے کے مددگار ہوں' مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ رحم دلی کا سلوک کریں' مسلمانوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت کا ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے آپس کے لین دین اور کاروبار کی بنیاد ایک دوسرے کی کھال کھینچنا' ایک دوسرے کے خون چوسنا اور ایک دوسرے سے کسی نہ کسی طرح اپنا مفاد حاصل کرنا نہیں ہے' بلکہ اس کی بنیادی روح ایک دوسرے سے تعاون' ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور رحمت کا رویہ ہے۔ قرآن پاک نے ان لوگوں کو ہلاکت کی وعید سنائی ہے جو دوسروں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تلقین نہ کریں اور خود مدد کرنے کے باوجود دوسروں کو اس کے لیے تیار نہ کریں۔

قرآن مجید کا فرمان ہے کہ تمہارا مقروض تنگ دست اور پریشان حال ہو تو اس کو اس وقت تک مہلت دے دو جب تک اس کے پاس گنجائش نہ پیدا ہو جائے' اور اگر معاف کر دو تو بہت اچھی بات ہے' بشرطیکہ تمہیں اس کا علم ہو۔ گویا بہترین صورت تو یہ ہے کہ معاف کر دو' ورنہ مہلت تو ضرور دے دو۔ لیکن سودی نظام میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ جونہی قرض خواہ کو شبہ ہوتا ہے کہ مقروض کا کاروبار کمزور پڑ رہا ہے تو سب سے پہلے بینک اور فنانس کمپنی پہنچ جاتی ہے اور اپنے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کر ڈالتی ہے۔

قرآن پاک کا ایک اہم معاشی اصول یہ ہے کہ دولت کی گردش صرف مال داروں ہی میں سمٹ کر نہ رہ جانا چاہیے۔ بلکہ ہر طبقہ میں موجود رہنی چاہیے۔ ہونا یہ چاہیے کہ معاشرہ کا ہر طبقہ دولت سے مستفید ہو اور وہ ہر طبقہ میں پھیلے۔ سودی کاروبار کی صورت میں یہ اصول باقی نہیں رہتا۔ بالخصوص آج کا سودی کاروبار تو اس اصول کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ ملک کے ہزاروں لاکھوں چھوٹی آمدنیوں والے لوگ اپنا تھوڑا تھوڑا سرمایہ بچا بچا کر بینکوں میں رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح ملک کے لاکھوں آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی آمدنیاں دولت کے ایک بڑے تالاب میں جمع ہو جاتی ہیں جسے چند بڑے سرمایہ دار کنٹرول کرتے ہیں۔ بظاہر یہ کہا جاتا ہے کہ اس سرمایہ سے کاروبار کے لیے قرضے دیئے جائیں گے اور یہ ساری دولت معاشرہ کے مشترک مقاصد کے لیے خرچ ہو گی لیکن عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ اور چھوٹے کاروبار کے لیے عموماً بنکوں سے قرضہ حاصل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بینکوں سے قرض لے کر کاروبار کرنا عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر بینک قرضہ دینے سے قبل لاکھوں روپے گارنٹی مانگتا ہے۔ بینک سے صرف وہ آدمی قرض لے سکتا ہے جو پہلے سے لاکھوں کروڑوں روپے کی گارنٹی رکھ سکتا ہو۔ مثلاً ۲۵ لاکھ روپیہ کی جائیداد کی گارنٹی پر مزید پچیس لاکھ روپے قرض مل جاتا ہے۔ گویا جس سرمایہ دار کے پاس پہلے پچیس لاکھ تھے اب وہ پچاس لاکھ کا مالک ہو گیا۔ اگر وہ دوبارہ قرض لے لے تو اس کے پاس ایک کروڑ روپیہ جمع ہو گیا۔ اس طرح دس پندرہ سال کے اندر اندر امیر امیر تر بن گیا اور غریب غریب تر۔ جو تھوڑی بہت دولت معاشرہ میں موجود تھی وہ کھنچ کر چند ہاتھوں میں سمٹ آئی جس کا اصل فائدہ چند سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے۔

قرآن مجید کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس میں جگہ جگہ خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بچا بچا کر رکھنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔ آغاز ہی میں فرما دیا گیا کہ یہ کتاب ان تقویٰ شعار مومنین کے لیے راہ ہدایت ہے جن کی ایک نمایاں صفت خرچ کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ساٹھ سے زائد مقامات پر خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور خرچ کرنے کو اہل ایمان کا اہم وصف قرار دیا گیا ہے۔ ان میں بہت سے مقامات پر فی سبیل اللہ کی قید بھی نہیں بلکہ

صرف خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جائز مدات میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

دوسری طرف دولت بچا کر رکھنے اور جمع کرنے کو کفار و مشرکین اور خدا کے باغیوں کی عادت بتایا گیا ہے' گویا اسلامی معاشرہ کا عمومی مزاج بچت کرنے کا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا ہے۔ سودی نظام کا بنیادی کلیہ اور اصل الاصول ہی یہ ہے کہ بچت کرنا اور زر اندوزی بہت بڑی معاشی نیکی ہے۔ سرمایہ دارانہ شریعت کی رو سے معاشرہ کا یہ فرض کفایہ ہے کہ وہ اس نیکی کے لیے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرے۔ ان سہولتوں میں سب سے بڑی اور اہم سہولت بچتوں پر زیادہ سے زیادہ نفع اور فائدہ پہنچانا ہے۔ اگرچہ بہت سے ماہرین معاشیات نے نظری اور تجرباتی دونوں اعتبار سے اس بات کا غلط ہونا ثابت کر دیا ہے پھر بھی سود خواری پر مبنی مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام بچتوں پر منافع کو بچت کے لازمی محرک اور ترغیب کے طور پر پیش کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کراتا رہتا ہے کہ اگر بچتوں پر منافع نہ دیا جائے تو بچتیں نہیں ہوں گی۔ اور بچتیں نہیں ہوں گی تو سارا معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اسلامی تعلیمات میں خرچ کو معاشی سرگرمیوں کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ انفاق معاشی سرگرمی کو وسعت اور سرعت عطا کرتا ہے۔ جب کوئی شخص روپیہ خرچ کرتا ہے تو وہ تجارت کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے' اس سے کئی آدمیوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے' کاروبار کو مہمیز ملتی ہے' دولت ایک ہاتھ سے کئی ہاتھوں میں منتقل ہوتی ہے۔ اس سے دولت کی گردش تیز ہوتی ہے جو معاشی صحت مندی کی علامت ہے۔

شریعت کا ایک طے شدہ اصول' جس پر تمام فقہی مکاتب کا اتفاق ہے' نفع و نقصان کا باہمی ربط ہے۔ یعنی "الخراج بالضمان" ہر اس چیز کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں جس کے ممکنہ نقصانات کی تلافی اور بوجھ آپ کے ذمے ہے۔ اگر آپ نقصان کے ذمہ دار نہیں بنتے تو اس چیز پر آپ کو نفع لینے کا کوئی حق نہیں۔ کاروبار میں یہ خطرہ (رسک) انگیز کرنا پڑے گا کہ اگر کاروبار ڈوب جائے تو اس کا نقصان آپ خود برداشت کریں گے۔ اس صورت میں آپ اس کاروبار کا نفع بھی لے سکتے ہیں' جتنا نفع کھلی اور آزاد منڈی میں ملتا ہے وہ لے لیجئے۔ لیکن یہ بات کہ روپیہ محفوظ رہے اور وہ منافع کے ساتھ ہر صورت میں آپ کو واپس ملے' چاہے کاروبار چلے یا نہ چلے' یہ چیز شریعت کے اس اصول کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

چند شبہات و اعتراضات

۱۔ قرآن پاک میں ربا کی تعریف کا نہ ہونا

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن پاک میں ربا کی کوئی تعریف نہیں کی گئی اور اس اہم چیز کو حرام قرار دینے

کے باوجود غیرمبین (Undefined) چھوڑ دیا گیا ہے' ان کے نزدیک چونکہ قرآن پاک ربا کی کوئی متعین اور طے شدہ تعریف نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لیے اس نے یہ گنجائش رکھی کہ لوگ اپنے زمانہ اور حالات کی رعایت سے ربا کی از سرنو تعریف کر سکیں۔ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دینا یا نہ قرار دینا ان کی اپنی صوابدید پر ہے اور حالات اور مصالح کا تقاضا ہے کہ اسے ربا نہ سمجھا جائے اور قرآنی ربا کو صرف روایتی مہاجنی سود تک محدود رکھا جائے۔

اس پوری دلیل میں اصل بات' جس پر اس ساری دلیل کی بنیاد ہے' یہ ہے کہ قرآن نے ربا کی تعریف نہیں کی۔ یہاں یہ یاد دلانا بے محل نہ ہو گا کہ قرآن پاک نے کسی بھی شے کی فقہی' قانونی یا فنی انداز میں تعریف نہیں کی۔ بار بار اقامت صلاۃ کا حکم دیا لیکن صلاۃ کی تعریف نہیں کی۔ زکوٰۃ کی تاکید کی لیکن زکوٰۃ کی فقہی تعریف نہیں کی۔ زنا کو جرم قبیح قرار دیا لیکن کہیں بھی زنا کی قانونی تعریف نہیں کی۔ بیع کو جائز ٹھہرایا لیکن کہیں بھی بیع کی فنی تعریف سے تعرض نہیں کیا۔

قرآن پاک کا اسلوب ایک عام فنی کتاب کی پیشہ ورانہ اصطلاحی زبان سے بہت مختلف ہے' مسائل کے بارہ میں راہنمائی فراہم کرنے میں اس کا ایک منفرد اسلوب ہے۔ وہ طرح طرح سے جزوی مثالیں دے کر' اخلاقی اصولوں کا حوالہ دے کر' پچھلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے' سابقہ منحرفین کے انجام کی یاد دلا کر ایک چیز کو ذہن نشیں کراتا ہے۔ پھر اس کی عملی شکل سنت رسول اللہ کے ذریعہ اور جماعت صحابہ کرام ﷺ کے عمومی طرز عمل کے ذریعہ ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان تینوں مصادر کو سامنے رکھنے سے ہمارے سامنے کسی معاملہ کی مکمل تصویر آ جاتی ہے۔ ان تینوں مصادر میں موجود ربا کے احکام کو دیکھا جائے تو ہمارے سامنے فوراً ربا کا ایک واضح تصور آ جاتا ہے جس کے بنیادی عناصر پر پوری امت کا ہمیشہ سے اتفاق ہے۔ یعنی کسی بھی واجب الادا رقم میں صرف اس لیے اضافہ کہ ادا کرنے والا مزید مہلت کا خواہاں ہے' ربا کہلاتا ہے۔ لہٰذا ربا کی فنی تعریف یہ ہوئی کہ کسی واجب الادا رقم میں ہر وہ اضافہ جس کے مقابلہ میں نہ محنت ہو نہ کوئی مال ہو نہ کوئی خطرہ (رسک) ہو اور نہ کوئی فنی مہارت ہو' جو محنت ہی کی ایک شکل ہے' ربا ہے۔ اس واجب الادا رقم میں نقد رقم (مثلاً کرنسی' زر' سونا' چاندی وغیرہ) بھی شامل ہے اور تمام مثلی چیزیں بھی شامل ہیں جو بارٹر لین دین میں بطور ثمن استعمال ہوتی رہی ہیں۔ فقہ اسلامی کی اصطلاح میں مثلی وہ اشیاء ہیں جن کے مابین اتنی گہری مماثلت پائی جاتی ہو کہ بازار میں پائی جانے والی تمام اشیاء کے سائز' مالیت اور بازاری قیمت میں کوئی قابل ذکر فرق نہ ہو اور ایک کی جگہ دوسری سے لین دین چل جاتا ہو۔ اس طرح چیزوں

کے لین دین میں کمی بیشی ہو تو اس کو ربا قرار دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بہت سی چیزوں میں کمی بیشی اور ادھار کو ربا قرار دیا ہے۔ ایک بہت مشہور روایت میں سونا' چاندی' گندم' جو' نمک اور کھجوروں کے آپس میں لین دین میں کمی بیشی اور ادھار کو ربا قرار دے کر منع فرمایا گیا ہے۔

۲۔ حرمت ربا کا اضعافا" مضاعفہ تک محدود ہونا

بعض حضرات صرف اس آیت کی بنیاد پر ربا کا تصور قائم کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اے ایمان والو! چند در چند (اضعافا" مضاعفہ) سود مت کھاؤ' اور اس کا مفہوم یہ نکالتے ہیں کہ مرکب سود تو حرام ہے لیکن مفرد سود حرام نہیں ہے۔ لیکن قرآن و سنت کے احکام کے پیش نظر اس مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سود مرکب ہو یا مفرد بہرصورت حرام ہے۔ اس لیے کہ جو خرابیاں اضعافا" مضاعفہ میں پائی جاتی ہیں وہ مفرد سود میں بھی پائی جاتی ہیں۔

مزید برآں قرآن پاک کا یہ ایک معروف اسلوب ہے کہ وہ بعض اوقات کسی جرم کی برائی کو نمایاں کرنے کے لیے اس کی بعض ایسی صفات بھی بیان کرتا ہے جو جرم کا براہ راست لازمی حصہ نہیں ہوتیں' صرف ذہن میں اس کی کراہیت کا پختہ تصور پیدا کرنے کے لیے ان کو بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فرمایا کہ فقرو فاقہ کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو (الاسراء - ۳۱)۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی اور وجہ سے اولاد کو بے شک قتل کر دو لیکن فقرو فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو۔ یہاں فقرو فاقہ کا ذکر عربوں کی اس مکروہ رسم کی کراہیت کو ذہن نشین کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ کہ وہ اپنی بیٹیوں کو یہ کہہ کر زندہ درگور کر دیا کرتے تھے کہ لڑکیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں' ان پر کیوں پیسہ برباد کیا جائے اور کیوں ان کی پرورش کی جائے۔

یہ اسلوب قرآن پاک ہی کا نہیں ' حدیث پاک کا بھی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ کبائر کے ذکر میں بڑے بڑے گناہوں سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا "۔۔۔۔ اور یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو" ظاہر ہے کہ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ محلّہ دار کی بیوی سے بدکاری تو گناہ کبیرہ ہے لیکن دوسرے محلّہ کے کسی شخص کی بیوی سے بدکاری گناہ کبیرہ نہیں۔ یہاں پڑوسی کی بیوی کا لفظ جرم کی شدت کی طرف توجہ دلانے کی خاطر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب عام بول چال میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کوئی کہے کہ مسجد میں چوری نہ کرو تو اس کا یہ مفہوم کوئی نہیں لیتا کہ مسجد میں چوری کرنا برا اور باہر چوری کرنا اچھا ہے۔ اسی اسلوب کے تحت قرآن پاک نے یہاں دوگنے چوگنے سود کی حرمت بیان کر کے اس کے ایک نسبتاً" زیادہ مکروہ پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۳۔ کرایہ مکانات پر قیاس

سود کا اصل مفہوم، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ کسی واجب الادا رقم میں کسی معاوضہ (محنت، مال، خطرہ) کے بغیر محض وقت اور مہلت کے مقابلہ میں کسی مشروط اضافہ کا مطالبہ کیا جائے۔ کرایہ مکان پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ کرایہ مکان اس منفعت کا معاوضہ ہے جو کرایہ پر لینے والا مکان سے اٹھاتا ہے اور پھر مکان اس کو واپس کر دیتا ہے۔ مکان کو خرچ نہیں استعمال کرتا ہے۔ جبکہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے استعمال نہیں کیا جاتا۔ مکان، جائیداد وغیرہ استعمالی اشیاء ہیں جن میں ربا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سونا، چاندی، گندم، نمک، جو وغیرہ استہلاکی اشیاء ہیں جن کے خرچ کیے بغیر ان سے مستفید نہیں ہوا جا سکتا لہٰذا ان میں ربا ہوتا ہے۔ پھر مکانات اور جائیدادیں قیمی ہیں جس میں ربا نہیں ہوا کرتا اور روپیہ، سونا، چاندی، مثلی ہوتے ہیں جن میں ربا ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے نھی رسول اللہ صلی علیہ وسلم عن ربح مالم یضمن یعنی "رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ہر اس چیز کے نفع سے منع فرمایا ہے جس کا خطرہ انگیز نہ کیا گیا ہو"۔ چنانچہ کرایہ پر مکان دینے والا مکان کو پہنچ سکنے والا ہر خطرہ انگیز کرتا ہے اس لیے وہ منافع اور فوائد کا بھی حقدار ہے۔ لیکن روپیہ قرض دینے والا شخص اس رقم پر کوئی خطرہ انگیز نہیں کرتا بلکہ وہ محفوظ ہوتی ہے اور مقروض کو لازماً ادا کرنی ہوتی ہے۔ اس لیے قرض خواہ اس پر کوئی نفع لینے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اضطرار

بعض حضرات کا خیال ہے کہ دور جدید میں ایک اضطراری صورت حال کی وجہ سے سود کو جائز قرار دیا جانا چاہیے۔ ان حضرات نے اسلام کے اصول اضطرار کا سہارا لے کر سود کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا غور کیا جائے تو یہ سہارا بڑا کمزور نظر آتا ہے۔ ضرورت اور اضطرار سے مراد وہ کیفیت ہے جس میں کسی کی جان، مال، خاندان، عقل، آبرو یا دین کو ایسا فوری اور سنگین خطرہ لاحق ہو جائے جس میں یہ بات یقینی ہو کہ اگر فوری مداوا نہ کیا گیا تو ان میں کوئی چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اتنی شدید پیاس کا شکار ہے کہ اگر اسے فوراً پانی نہ پلایا گیا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اب اگر جائز مشروب دستیاب نہ ہو تو شراب کے چند گھونٹ پلا کر جان بچا لینا جائز ہے۔ لیکن اگر تین گھونٹ شراب سے جان بچ سکتی ہو تو چار گھونٹ جائز نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ سود خواری کے باب میں ایسی کوئی اضطراری کیفیت موجود نہیں ہے۔ کم از کم مسلم ممالک کے اندرونی معاملات میں سود کو ختم کیے جانے سے کسی کی جان یا مال کی تباہی کا کوئی فوری خطرہ موجود نہیں ہے۔

۵۔ کسی مفصل نقشہ کار کا نہ ہونا

ایک اور بات یہ کہی جاتی ہے کہ سود کے خاتمہ کا کوئی مفصل نقشہ کار موجود نہیں ہے لٰہذا فوری طور پر سود کو ختم کر کے متبادل صورتیں اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس بات میں کوئی وزن ہوتا اگر سود کے خاتمہ کی بات آج یکایک سامنے آ گئی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہے۔ سود کے خاتمہ کے مطالبات اور ریاست پاکستان کی اس کے ساتھ وابستگی اتنی ہی پرانی ہے جتنا خود ملک کا وجود۔ ۱۹۳۶ء۔ ۱۹۳۷ء میں علامہ اقبال اور قائداعظم کی مراسلت سے لے کر تحریک پاکستان کے دوران کیے جانے والے اعلانات اور پھر جولائی ۱۹۴۸ء میں اسٹیٹ بینک کے افتتاح کے موقع پر قائد کی تقریر تک جو بات بار بار کہی گئی وہ اسلامی احکام کے بموجب ایک نئے معاشی نظام اور عدل اجتماعی کا قیام تھا جس کا وعدہ ریاست نے کیا تھا۔ ۱۹۴۸ء ہی میں اسٹیٹ بینک میں ایک شعبہ تحقیق قائم کیا گیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ پاکستان میں مالیات، اقتصادیات اور عدل اجتماعی کے اسلامی اصولوں پر تحقیق ہو گی اور نئے نقشہ ہائے کار تیار کیے جائیں گے۔ قائد ان متبادل نقشہ ہائے کار کے اتنی شدت سے منتظر تھے کہ انہوں نے اس تقریر میں کہا تھا کہ میں دلچسپی سے آپ کی تحقیقات کا منتظر رہوں گا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا بلاسود بینکاری کا نظام شروع کرنے سے قبل کوئی مفصل بلوپرنٹ بنانا ناگزیر ہے؟ کیا دنیا میں ہر جگہ نئے نئے نظام قائم ہونے سے پہلے ان کے لیے سوچ سوچ کر بلوپرنٹ تیار کر لیے گئے تھے؟ کیا بینک بننے سے پہلے کوئی بلوپرنٹ تیار ہوا تھا کہ بینک کیسے کام کریں گے؟ دراصل یہ ترتیب کار ہی درست نہیں ہے۔ دنیا میں پہلے کام شروع ہوتا ہے پھر جوں جوں کام آگے بڑھتا ہے تو بلوپرنٹ تیار ہوتے جاتے ہیں۔ جب روس میں کمیونسٹ نظام نے کام شروع کیا تھا تو کیا پہلے سے ہر چیز کا بلوپرنٹ تیار ہوا تھا؟ قائداعظم پاکستان بنا رہے تھے تو کیا یہاں کی معاشیات کا، سیاسی نظام کا، دستور سازی کا، صنعتکاری کا، زراعت کا کوئی بلوپرنٹ تیار ہوا تھا، انہوں نے قوم کو صرف ایک جملے کا بلوپرنٹ دیا تھا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں اس لیے ان کا الگ الگ وطن ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی بلوپرنٹ تیار نہیں کیا گیا۔ جو حضرات اس بلوپرنٹ کا مطالبہ کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ بیورلی نکلسن سے قائداعظم کا وہ انٹرویو دیکھ لیں جو اس نے اپنی کتاب (Verdict on India) میں شامل کیا تھا۔ اس انٹرویو میں قائد نے اس سوال کا جواب دیا تھا کہ آپ بغیر کسی بلوپرنٹ کے کیونکر پاکستان بنانے چلے ہیں۔

۶۔ صرفی اور تجارتی سود

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسلام نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ صرفی اور ذاتی مقاصد کیلئے لیے جانے

والے قرضوں پر عائد کیا جانے والا سود ہے۔ اس لیے کہ اس وقت یہی سود عرب میں رائج تھا اور سود کی اسی قسم سے قرآن پاک کے اولین مخاطبین مانوس تھے۔ تجارتی سود سے نہ عرب لوگ واقف تھے اور نہ سود کی یہ قسم وہاں رائج تھی۔ لہٰذا تجارتی سود کو حرام قرار دیئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس دلیل میں کوئی جان ہوتی اگر کتب حدیث و تاریخ سے اس کی تائید ہوتی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن اور سنت رسول ﷺ نے تجارتی اور صرفی قرضوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا اور ہر صورت میں صرف اصل رقوم (رءوس اموالکم) کی وصولیابی کی اجازت دی ہے۔ رءوس اموالکم سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم سود کی تمام ممکنہ شکلوں پر حاوی ہے' بلکہ تجارتی سود پر اس کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ راس المال کی اصطلاح تجارت اور کاروبار کے سیاق و سباق میں استعمال ہوتی ہے' شخصی ادھار اور ذاتی قرضوں میں سرمایہ اور راس المال وغیرہ اصطلاحات عام طور پر استعمال نہیں ہوتیں۔

مزید برآں احادیث میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس دور میں نہ صرف تجارت کے لیے قرض لیے جاتے تھے بلکہ ان پر سود بھی لینے اور دینے کا رواج تھا۔ جیسا کہ اس موضوع پر احادیث اور تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر عرب میں صرفی قرضوں پر سود وصول کرنے کا کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ عربوں کا جذبہ مہمان نوازی اور غریب پروری ضرب المثل تھی اور آج بھی ہے۔ اسلام سے پہلے بھی یہ اقدار ان میں نہ صرف موجود تھیں بلکہ ایک عام عرب ان پر عمل کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ چور اور ڈاکو تک ان اقدار کا فخریہ ذکر کرتے تھے۔ ان حالات میں صرفی قرضوں پر سود کی وصولیابی کی مثالیں شاذ و نادر ہی تھیں اور عموماً یہودیوں میں تھیں۔

البتہ تجارتی اغراض کے لیے قرضے کا عرب میں عام رواج تھا اور اس پر سود بھی لیا جاتا تھا اور قرآن نے اسی کی ممانعت کی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر ختم کیا کسی طرح بھی صرفی قرضوں پر عائد سود نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عرب کے نامور تاجروں میں سے تھے اور دوسرے تاجروں کو تجارت کے لیے قرض بھی دیا کرتے تھے۔ جو سودی اور غیر سودی دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ ان جیسے سخی انسان کے بارہ میں' جو مکہ میں حج کے لیے آنے والے ہزاروں مہمانوں کی اپنی جیب خاص سے ہفتوں مہمان نوازی کرتا ہو' یہ بات بعید بلکہ ناقابل تصور ہے کہ وہ ضرورت مند اور محتاج لوگوں کو صرفی قرض بھی سود پر دیتا ہو۔

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ صرفی قرضے والے سود کی برائی دو افراد تک محدود رہتی ہے۔ جبکہ تجارتی قرضوں

پر سود کی قباحتیں اور مفاسد پورے معاشرہ کو گھن لگا دیتے ہیں۔ سود کی جو قباحتیں اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں سے آخر کونسی ہے جو صرفی قرضہ میں ہو اور تجارتی میں نہ ہو۔

متبادل شکلیں

گزشتہ چند عشروں کے دوران دنیائے اسلام میں بلاسود بینکاری اور غیرسودی سرمایہ کاری کے موضوع پر خاصا وقیع علمی کام ہوا ہے اور ماہرین نے مشترکہ غور و فکر سے اس کی متعدد متبادل شکلیں تجویز کی ہیں۔ جو شریعت کے احکام سے متعارض بھی نہیں ہیں اور جدید بینکاری اور سرمایہ کاری کے مقاصد کو بھی کماحقہ پوری کرتی ہیں۔ ذیل میں ان متبادل شکلوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی ان میں سے چند اہم شکلوں کے ضروری شرعی احکام بھی دیئے جا رہے ہیں۔

(۱) بیع مرابحہ
(۲) اجارہ (Leasing)
(۳) مشارکہ
(۴) مضاربہ
(۵) بیع موجل
(۶) بیع بالوفا (By-Back Agreement)
(۷) ملکیتی کرایہ داری (Hire Purchase)
(۸) وصولیابی ترقیاتی اخراجات (Development Charges)
(۹) ایکویٹی پارٹی سپیشن (Equity Participation)
(۱۰) رینٹ شیئرنگ (Rent Sharing)
(۱۱) خریداری حصص
(۱۲) بیع سلم
(۱۳) مزارعہ
(۱۴) مساقات
(۱۵) بالاقساط فروخت
(۱۶) عقد استصناع
(۱۷) صرفی قرضوں کی مد میں ادارہ اوقاف کا استعمال

آج بینکوں کی اتنی قسمیں ہو گئی ہیں اور ان کے اتنے متنوع اور کثیرالمقاصد فرائض ہیں کہ ان کے بارہ میں مختصر سی گفتگو کرنا ممکن نہیں ہے۔ کئی فرائض و مقاصد بینک خالصتاً دوسرے کے ایجنٹ اور وکیل کی حیثیت سے انجام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر رقم کی ترسیل میں مدد دینا' کسی کاروبار میں مشورہ دینا' پرامیسری نوٹ جاری کرنا' ان فرائض کی انجام دہی پر بینک کو حق الخدمت (سروس چارجز) وصول کرنے کا پورا حق ہے اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ فرائض کی انجام دہی کے طریق کار میں معمولی رد و بدل کی ضرورت ہو گی' غیرملکی زرمبادلہ کی فراہمی' تجارتی حصص کی انڈر رائٹنگ' اجارہ اور فرائض کی بھی مناسب اجرت بینک وصول کر سکتا ہے اور اس

میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ جو رقم قرض دی جاتی ہے اس پر حق الخدمت وصول کرنا شرعاً محل نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اسے مذکورہ بالا حد تک جائز قرار دیتے ہوئے اصولاً اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے۔ البتہ ایک خاص حد تک کے صرفی قرضوں اور دوسری خدمات کے معاوضہ میں حق الخدمت کو جائز متبادل قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی وصولیابی چند لازمی شرائط و احکام کے ماتحت ہونی چاہیے، جو درج ذیل خطوط پر ہو سکتی ہیں۔

- اسٹیٹ بینک وقتاً" فوقتاً" اس زیادہ سے زیادہ رقم کا تعین کرے جس سے زیادہ رقم بطور صرفی قرض جاری نہیں کی جا سکے گی۔
- ایک خاص حد تک کے صرفی قرض مکمل طور پر قرض حسنہ ہوں اور ان پر کوئی حق الخدمت نہ ہو۔
- حق الخدمت کو کسی بھی صورت حال میں وقت یا قرض کے دورانیہ سے منسلک نہ کیا جائے کیونکہ اس کے معنی ربا کا دروازہ کھولنے کے ہوں گے۔
- حق الخدمت کی زیادہ سے زیادہ رقم کا تعین اسٹیٹ بینک وقتاً" فوقتاً" کرے جس میں اس کا فارمولا اور بنیاد کی وضاحت بھی کی جائے جو خلاف شرع ہونے کی صورت میں اعلیٰ عدلیہ میں قابل چیلنج ہو۔

حاجت مند لوگوں کو صرفی ضروریات کے لیے معمولی مالیت کے قرضے بغیر کسی حق الخدمت کے جاری کیے جانے چاہئیں۔ حکومت یا اسٹیٹ بینک ملک میں ضروریات اور قوت خرید کے پیش نظر ایک مناسب فارمولا بینکنگ کونسل کے لئے وضع کر دے جسے سامنے رکھ کر چھوٹے صرفی قرضے بطور قرض حسنہ جاری کیے جائیں جیسے اولاد کی شادی، جہیز، تعمیر مکان اور علاج۔ ان مقاصد کے لیے درخواست گزاروں کی شہری، قصباتی یا دیہاتی رہائش کی مناسبت سے ضروریات بھی مختلف ہو سکتی ہیں۔ جن کا تعین کر کے تین سطحیں مقرر کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح ان مقاصد کے لیے تین تین سطح کے قرضے ہوں گے۔ گویا کل بارہ شرحیں طے شدہ ہوں گی جن کے مطابق متعین مقاصد کے لیے بطور قرض حسنہ امداد دی جائے گی۔

(ا) بیع مرابحہ

ہمارے ہاں جس کو مارک اپ کہا جا رہا ہے وہ بیع مرابحہ اور بیع سلم کا مجموعہ ہے جس کو سرکاری دستاویزات میں بیع موجل کا نام دیا گیا ہے۔ بیع مرابحہ سے مراد کوئی چیز خرید کر اس کی سابقہ قیمت پر طے شدہ اور متعین شرح سے اضافہ کے ساتھ فروخت کر دینا ہے۔ اس کے جائز ہونے کے لیے درج ذیل احکام کی پابندی

ضروری ہے۔

- سابقہ قیمت کا معلوم اور متعین ہونا ضروری ہے، یعنی خریدار کو یہ واضح طور پر معلوم ہو کہ پہلے خریدار (اور حال بائع) نے اس کو کتنی قیمت میں خریدا تھا۔ اگر پہلے خریدار (اور حال بائع) نے چیز کی خریداری کے بعد اس پر کچھ اور مصارف مثلاً مرمت، نقل و حمل، یا کسی اور جائز مصرف پر رقم خرچ کی ہو اور وہ اس کو بھی قیمت میں لگانا چاہتا ہو تو اس کی صراحت کرے اور بتائے کہ اصل قیمت اتنی تھی، اور اتنی رقم فلاں مد میں خرچ ہوئی، اور اب اس مجموعی رقم پر وہ اتنا نفع طلب کرتا ہے، اور بتائے کہ یہ چیز اصل قیمت اور اخراجات ملا کر مجھے اتنے میں پڑی ہے۔
- نفع کی شرح یا فارمولا پہلے سے طے اور متعین ہونا ضروری ہے۔
- اگر قیمت میں کوئی چیز وصول کی جا رہی ہو تو وہ اسی نوعیت کی ہو کہ اس جیسی چیز اسی قیمت میں بہ سہولت بازار سے مل جاتی ہو (مثلاً گندم، غلہ، کپڑا، مصنوعات وغیرہ)۔
- جس سامان کی مجموعی مالیت کا اندازہ اور قیمت متعین نہ ہو، اس کی ممکنہ قیمت کے فیصدی کے حساب سے نفع طے کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً یہ سودا کہ اس وقت دکان میں موجود سارا سامان دس فیصد نفع پر لے لو تو یہ سودا درست نہیں ہے۔ پہلے سارے سامان کی قیمت بتائی جائے اور پھر دس یا پانچ فیصد طے کیا جائے۔ سونے چاندی اور ایک ہی قسم کے کرنسی نوٹوں کی بیع مرابحہ درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ ربا ہے۔ مثلاً سونا یا چاندی اصل قیمت پر نفع رکھ کر جب فروخت کیے جائیں گے تو وہ نفع ربا کے حکم میں ہو گا۔

اس تصور کو سامنے رکھ کر بھاری مشینری کی درآمد، اندرون ملک مصنوعات کی آڑھت، اور ملکی پیداوار کی برآمد کے ذریعہ اسے سود کے فعال متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ماہرین بینکاری کو تھوڑی سی جدت اور تخلیقی صلاحیت کا بھی مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ اب تک بینکوں کے طریق کار اور انواع و اقسام میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ مغرب ہی سے آتی ہیں۔ اور ہمارے ماہرین دل و جان سے ان پر عملدرآمد شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر ملکی یا اسلامی مقاصد کی خاطر یہاں سے کسی معمولی سے ردوبدل کا مشورہ دیا جائے تو اسے ناقابل عمل بتایا جانے لگتا ہے۔

اگر بینک تجارت کے اس شعبہ کو منظم کر کے بھاری مشینری کی درآمد براہ راست خود یا کسی مشترکہ کنسورشیم کے ذریعہ شروع کر دیں اور بیع مرابحہ کے اصول پر اس کو اندرون ملک فروخت کریں تو اس میں نہ کوئی

انتظامی قباحت ہے نہ عملی دشواری۔ اپنی رقوم کی واپسی کو یقینی بنانے کے لیے بینک مشینری کے خریداروں سے اگر وہ نقد قیمت دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں تو رہن بھی لے کر رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اندرون ملک مصنوعات اور پیداوار کی آڑھت اور برآمد کے کاروبار میں بھی بینک براہ راست یا اپنے مقرر کردہ ایجنٹوں اور ڈیلروں کی مدد سے شریک ہو سکتا ہے۔

(۲) اجارہ

اردو میں اسے پٹہ داری اور انگریزی میں لیزنگ (Leasing) کہتے ہیں۔ سرمایہ کاری کا یہ طریقہ بھی شریعت کے مطابق ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں بڑے پیمانہ پر تجارت و کاروبار بالخصوص بینکاری میں اب اس کا عام استعمال ہو چلا ہے۔ اجارہ سے مراد ایسا لین دین ہے جس میں کسی جائز چیز کی ملکیت اپنے پاس رکھتے ہوئے اس کا استعمال اور حق انتفاع (یوزفرکٹ) دوسرے کو ایک مقررہ مدت کے لیے فروخت کر دیا جائے۔ اجارہ کے دیگر احکام اور شرائط درج ذیل ہیں۔

- اجارہ کی جانے والی منفعت یا حق استعمال معلوم، متعین اور طے ہو، کوئی منفعت یا حق استعمال غیر متعین، نامعلوم اور غیرواضح ہو یا جس کے تعین میں بعد میں چل کر اختلاف کا امکان ہو تو معاہدہ جائز نہ ہو گا۔
- اجارہ کی مدت، تاریخ، آغاز و انتہاء اور دورانیہ کا تعین پہلے سے کیا جائے۔
- اجارہ پر لی ہوئی چیز کہاں، کیسے اور کن کن مقاصد کے لیے استعمال کی جائے گی اس کا بھی تعین ضروری ہے۔ البتہ احناف کے نزدیک مکان اور دکانوں کے اجارہ میں یہ متعین کرنا ضروری نہیں کہ ان میں کرایہ دار خود رہے گا یا کسی اور کو رکھے گا یا دکان میں کیا کاروبار کرے گا۔ ان عمارتوں کا کوئی ایسا استعمال مالک کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا جو ان کے عام اور معروف استعمال سے مختلف ہو یا اس سے عمارت کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔
- کسی ایسے مقصد کے لیے اجارہ درست نہیں۔ جو شرعاً، عقلاً یا عادۃً" درست اور قابل عمل نہ ہو، مثلاً شراب سازی، کیمیا گری وغیرہ
- کرایہ کا تعین واضح طور پر کیا جائے۔
- شرائط میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو ایک فریق کو کوئی ایسا حق دیتی ہو جو معاہدہ اجارہ کے مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو اور اس اضافی حق کا کوئی معاوضہ دوسرے فریق کے ذمہ واجب الادا نہ ہو۔ اس لیے کہ بلامعاوضہ ایسا

اضافی حق ایک طرح سے ربا کے مترادف ہے۔

○ اگر اجارہ پر دی جانے والی چیز تباہ یا ناقابل استعمال ہو جائے تو اجارہ پر لینے والے کو وقت سے پہلے اجارہ منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

○ اجارہ پر دی جانے والی چیز کے تمام نقصانات اور خطرات مالک کے ذمہ ہوں گے۔ یاد رہے کہ مالک شرعاً اپنی چیز کا کرایہ لینے کا مستحق اسی وقت ہو سکے گا جب وہ اس کے تمام نقصانات اور خطرات کی ذمہ داری خود قبول کرے۔ لہٰذا اجارہ پر دی ہوئی چیز کی انشورنس، ٹوٹ پھوٹ، وغیرہ سب مالک کے ذمہ ہوں گے۔

○ فریقین جب چاہیں باہمی رضامندی سے معاہدہ اجارہ کو فسخ کر سکتے ہیں۔

○ اجارہ پر وہی چیز دی جا سکتی ہے جو دینے والے شخص کی ملکیت میں ہو اور اس کے قبضہ میں آ چکی ہو۔ جائیداد غیر منقولہ کے لیے البتہ کاغذات ملکیت کا قبضہ میں آ جانا جائیداد کے قبضہ میں آ جانے کے مترادف مانا جا سکتا ہے۔

اجارہ کے احکام اور شرائط بہت مفصل ہیں لیکن ضروری احکام کا خلاصہ مذکورہ بالا سطور میں آ گیا ہے۔ ان احکام اور شرائط کے تحت کیا جانے والا اجارہ (لیزنگ یا پٹہ داری) شریعت کے مطابق جائز طریقہ ہو گا۔ یاد رہے کہ اجارہ اور لیزنگ کے ادارہ سے بینکنگ اور بالخصوص کارپوریٹ فنانس کے مقاصد کی تکمیل بنیادی طور پر مسلمان فقہاء کی ایجاد ہے۔ مغرب میں یہ تصور ماضی قریب میں آیا ہے۔ انگلستان میں یہ رواج ۱۹۶۰ء کے عشرہ سے شروع ہوا اور بہت جلد اس نے کاروباری حلقوں میں مقبولیت حاصل کر لی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۹ء میں کل دو ہزار ملین پونڈ کی لیزنگ ہو رہی تھی جو کل سرمایہ کاری کا دس فیصد تھا۔

مغربی ممالک میں لیزنگ کی جو دو بڑی قسمیں جلد ہی مقبول ہو گئیں وہ فنانس لیز اور اپریٹنگ لیز یعنی کامل ادائیگی کا اجارہ اور استعمالی اجارہ تھیں۔

(۳) مشارکہ

سود کے خاتمہ کے بعد اس کے حقیقی، اصلی اور مستقل طور پر قابل عمل متبادل مشارکہ اور مضاربہ ہی ہیں۔ یہاں چند بنیادی اصول بیان کیے جا رہے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ مشارکہ کے تصور کی بنیاد پر بینکاری کے مقاصد کس طرح حاصل کیے جا سکتے ہیں

○ مشارکہ (فقہاء کے ہاں شرکہ) سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد مل کر کسی کاروبار میں سرمایہ کے

ساتھ شریک ہوں اور کاروبار کے نفع اور نقصان، دونوں میں شریک ہوں۔

○ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مشارکہ میں نفع تو کسی بھی ایسی نسبت سے تقسیم کیا جا سکتا ہے جس پر پہلے سے سارے فریق اتفاق کرلیں، لیکن اگر نقصان ہو جائے تو سب شرکاء کے سرمایہ کے تناسب سے برداشت کیا جائے گا۔ یعنی جس کا سرمایہ دس فیصد ہے وہ نقصان کے دس فیصد کی حد تک ذمہ دار ہو گا اور جس کا سرمایہ نوے فیصد ہے وہ نوے فیصد کی حد تک نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔

○ تمام شرکاء پیشگی شرائط کے تحت یہ طے کر سکتے ہیں کہ کاروبار کا بندوبست کون اور کیسے کرے گا۔ اور باقی شرکاء کیا خدمت سرانجام دیں گے۔ نفع کی تقسیم ہمیشہ فیصد کے حساب سے طے کی جائے گی اور کسی کے لیے متعین رقم طے نہیں کی جائے گی۔

○ کاروباری ادارہ یا کمپنی اپنے شرکاء کی اجازت ہی سے قرضہ یا کوئی اور مالی ذمہ داری لے سکتی ہے۔

○ اگر کاروباری ادارہ یا کمپنی نے شرکاء کی اجازت کے بغیر ایسی (یعنی میمورنڈم یا آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن میں صراحت کیے بغیر) کوئی ذمہ داری قبول کرلی ہو اور کاروبار میں نقصان ہوا ہو تو شرکاء اس ذمہ داری کی حد تک نقصان کے ذمہ دار نہ ہوں گے بلکہ اس کے ذمہ دار ادارہ یا کمپنی کے منتظمین (ڈائریکٹر) ہوں گے۔ منتظمین (ڈائریکٹر) کو یہ اجازت نہیں ہو گی کہ وہ شرکاء کی اجازت کے بغیر کاروبار کی اصل مالیت سے زیادہ کا مال ادھار خرید لیں۔ اگر انہوں نے ایسے کیا اور کمپنی نقصان میں چلی گئی تو نقصان منتظمین کو خود برداشت کرنا پڑے گا۔

○ اگر کمپنی کے منتظمین کا اپنا سرمایہ کمپنی کے کاروبار میں نہیں ہے تو وہ نقصان کے ذمہ دار نہ ہوں گے، بلکہ صرف بد دیانتی، خیانت یا غبن کے ثابت ہونے پر مسئول ہوں گے۔

○ ایک مشارکہ کمپنی دوسری کمپنیوں سے مشارکے یا مضاربے کر سکتی ہے، بشرطیکہ دونوں کے شرکاء نے اس کی اجازت دی ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مضاربہ کے لیے شرکاء سے اجازت ضروری نہیں ہے۔

○ کسی کمپنی کے ڈائریکٹر کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ کمپنی کے شرکاء سے اجازت لیے بغیر اپنا ذاتی کاروبار مشترکہ کاروبار میں ملا دے یا ذاتی کاروبار اس طرح کرے کہ اس مشترکہ کاروبار پر منفی اثرات پڑ رہے ہوں۔

مذکورہ بالا احکام کی رو سے بینکوں کو کاروباری پارٹیوں سے قرضہ کے بجائے مشارکہ کی بنیاد پر معاملہ کرنا چاہیے تاہم ضروری ہے کہ درج ذیل اقدامات کیے جائیں۔

- جن مشارکہ کمپنیوں میں سرمایہ لگایا جائے ان کے انتظام میں بینک کا عمل دخل ہونا چاہیے مثلاً سرمایہ کے تناسب سے کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز وغیرہ میں بینک اپنے ارکان نامزد کرے یا کھاتے داروں میں مخصوص مالیت سے زیادہ رقم والے لوگوں میں سے باہمی رضامندی سے ان کے نمائندے مقرر کر دیئے جائیں جو کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن متصور ہوں۔
- بینک جب چاہیں کاروبار' حسابات' کاغذات اور رسیدوں وغیرہ کا معائنہ کر کے اپنی تسلی کر سکیں۔
- ٹیکسوں پر مکمل نظرثانی کی جائے۔ حقیقت پسندانہ انداز سے نئی شرحیں اور ان کی وصولیابی کا طریقہ وضع کیا جائے تاکہ ٹیکس سے بچنے کے رجحان کی خود بخود حوصلہ شکنی ہو۔

(۴) مضاربہ

یہ وہ مشارکہ ہے جس میں مالک یا مالکان سرمایہ' اس شرط پر اپنا سرمایہ کاروبار میں لگانے کے لیے دیں کہ نفع ان کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق تقسیم ہو گا' نقصان صرف مالک سرمایہ کا ہو گا اور اس صورت میں دونوں اپنا اپنا طے شدہ حصہ لیں گے اور نقصان کی صورت میں مالک سرمایہ کا سرمایہ اور کاروبار کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔ مضاربہ ایسا مشارکہ ہے جس میں ایک طرف سے سرمایہ لگایا جائے اور دوسری طرف سے محنت اور مہارت استعمال کی جائے۔ مضاربہ کے ضروری احکام یہ ہیں۔

- مضاربہ متعین اور طے شدہ نقد رقم کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ کسی غیر متعین مال و جائیداد یا کسی غیرمادی منفعت کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا۔ مکان میں حق رہائش یا ایسا قرض مضاربہ کا سرمایہ نہیں ہو سکتا جو ابھی وصول کیا جانا ہو۔
- مضارب (کاروبار کرنے والا) اور وکیل (ایجنٹ) میں فرق ہے۔ ایجنٹ کی تنخواہ یا نفع نقصان ہر حال میں ہے۔ لیکن مضارب کا حصہ صرف نفع کی صورت میں ہوتا ہے لہٰذا مضارب کمپنی جن لوگوں سے کاروبار میں کام لے وہ کمپنی کے ملازم شمار ہوں گے اور ان کی اجرت کمپنی کو ہر حال میں ادا کرنی ہو گی۔
- مضاربہ عام بھی ہو سکتا ہے اور خاص بھی' عام میں کمپنی جس کاروبار میں مناسب سمجھے سرمایہ لگائے لیکن خاص مضاربہ میں مضاربہ کمپنی وہی کاروبار کرے گی جس کی اجازت سرمایہ لگانے والوں نے دی ہو۔ خاص مضاربہ میں جگہ' نوعیت اور دورانیہ وغیرہ کی شرائط بھی عائد کی جا سکتی ہیں۔
- سرمایہ طے شدہ مالیت کا ہو' اس کی نقد ادائیگی بھی ضروری ہے۔ کسی شخص کا کوئی قرضہ مضاربہ کمپنی کے

ذمہ ہو تو اس کی بنیاد پر مضاربہ نہیں ہو سکتا بلکہ پہلے قرض وصول کیا جائے گا۔ اور پھر اس سے مضاربہ کے شیئر یا سرٹیفکیٹ خریدے جائیں۔ البتہ سرمایہ لگانے والا کمپنی کو کسی قرض کی وصولیابی کے لیے ایجنٹ مقرر کر دے اور کمپنی قرض وصول کر کے کاروبار میں لگا لے تو جائز ہے۔

- کوئی رقم بطور امانت کسی کے پاس ہو تو وہ مالک کی اجازت سے مضاربہ میں لگائی جا سکتی ہے۔
- سرمایہ کا عملاً کمپنی یا مضارب کے حوالہ کر دینا ضروری ہے۔ اگر سرمایہ مالک ہی کے قبضے میں رہے تو مضاربہ درست نہیں ہو گا۔
- نفع کی نسبت پہلے سے طے ہو کہ کمپنی اور سرمایہ لگانے والے کو نفع کا کتنا کتنا حصہ ملے گا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر نفع کی کل رقم اتنی رقم سے زیادہ ہوئی تو فلاں شخص کو مزید اتنی رقم ملے گی۔
- ہر وہ شرط کالعدم ہو گی جس کی رو سے مضاربہ کمپنی کو نقصان برداشت کرنے کا پابند کیا گیا ہو۔ یہ شرط بھی کالعدم ہے جس کی رو سے فریقین میں سے کسی کو ایسی چیز کا پابند کیا گیا ہو جس کا مضاربہ سے براہ راست تعلق نہ ہو مثلاً یہ کہ جو سرمایہ لگائے وہ اپنی زمین بھی کمپنی کو لیز پر دے تو یہ شرط کالعدم ہے۔
- مضاربہ کمپنی نے کوئی ایسا کاروبار کیا جس کی اجازت نہ تھی تو کمپنی خود ذمہ دار ہے۔
- مضاربہ کمپنی کی کوتاہی کے بغیر نقصان ہو جائے تو کمپنی ذمہ دار نہیں لہٰذا ہر وہ شرط کالعدم ہے جس کی رو سے سرمایہ کی ہر صورت میں واپسی مضاربہ کمپنی کی ذمہ داری ہو۔
- مضاربہ عام ہو یا خاص، کمپنی سرمایہ کاروں کی اجازت کے بغیر قرض نہیں لے سکتی۔ سرمایہ کار، ایسی تمام مالی ذمہ داریاں پوری کرنے کے پابند نہیں ہوں گے اور ان کی ادائیگی مضاربہ کمپنی خود کرے گی۔
- ایک مضاربہ کمپنی مضاربہ کی رقم سے دوسرا ذیلی مضاربہ کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی اجازت دی گئی ہو چنانچہ مضاربہ کمپنی اور ذیلی مضاربہ میں جو نفع تقسیم ہو گا وہ اصل مضاربہ کے نفع کے اس حصہ میں سے ہو گا جو مضاربہ کمپنی کو اصل مضاربہ سے ملنے والا تھا۔
- مضاربہ کمپنی اپنے ضروری اخراجات مضاربہ کی آمدنی سے وصول کر سکتی ہے۔ ایسے ناگزیر اخراجات کا تعین بازار کے رواج اور زمانہ کے معروف اور رائج الوقت طریقہ کے مطابق ہو گا۔
- اس کے لیے ضروری ہے کہ بینکوں کے طریق کار، دستاویزات اور قواعد و ضوابط میں بنیادی تبدیلیاں لائیں جائیں اور ان کو مذکورہ بالا خاکہ سے ہم آہنگ کیا جائے۔ مشارکہ کے ذیلی عنوان کے تحت جو کچھ

عرض کیا گیا ہے ان کی یاددہانی مضاربہ کے ذیل میں بھی ضروری ہے کیوں کہ دونوں کے بہت سے احکام ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

(۵) بیع مؤجل

لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے اس سے مراد ادھار فروخت' یعنی جس میں قیمت یکمشت یا قسطوں میں بعد میں ادا کی جائے لیکن پہلے سے متعین ہو۔ ادائیگی کی تاریخ یا مدت متعین ہو اور یہ بھی طے ہو کہ قیمت یکمشت ادا کی جائے گی یا بالاقساط۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے ہمارے ملک میں بیع مرابحہ کے مجموعہ کو مارک اپ کے نام سے اختیار کیا گیا ہے جس کی بعض صورتوں میں بیع سلم کے عناصر بھی شامل ہیں۔ لیکن اس میں اصلی بنیاد بیع موجل ہی ہے' لہٰذا ہم مارک اپ کا ذکر بھی بیع موجل ہی کے ضمن میں کریں گے۔ بیع مؤجل کے ضروری شرعی احکام ملاحظہ ہوں۔

- فروخت کنندہ اس شے کا مالک ہو جس کو فروخت کر رہا ہے اور چیز اس کے قبضہ میں ہو۔
- قیمت کی وصولیابی کے لیے بائع کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو مشتری کی کوئی چیز رہن رکھ لے۔
- بائع اپنے سامان یا نفع کا حقدار صرف اس صورت میں ہو گا جب وہ چیز اس کے ضمان (یعنی رسک) میں ہو۔ جائیداد اگر کسی اور شخص کے رسک میں ہے تو اس کا نفع لینے کا بائع کو حق نہیں۔
- فروخت کی جانے والی چیز کا قبضہ فوراً دیا جائے۔ اگر قبضہ بعد میں دینا طے ہو اور قیمت بھی بعد میں ادا ہو تو ناجائز ہے۔
- بیع سلم میں قیمت پہلے وصول کی جاتی ہے اور مال بعد میں فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس بیع موجل میں مال پہلے دیا جاتا ہے اور قیمت بعد میں وصول کی جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ کوئی ایک چیز مال یا قیمت فوری ادا کی جائے۔

(۶) بیع بالوفاء

یہ وہ بیع ہے جس میں یہ شرط ہو کہ بیچنے والا قیمت واپس کر دے تو خریدنے والا چیز واپس کر دے گا۔ ایک اعتبار سے یہ خرید و فروخت اور ایک اعتبار سے رہن کا معاملہ ہے۔ خریدنے والے کو انتفاع کے تمام حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ وہ چیز استعمال کر سکتا ہے' لیکن فروخت کر سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے۔ جائیداد غیر منقولہ فروخت ہو تو حق شفعہ بھی نہیں ہے۔ بیع بالوفاء کے ضروری احکام درج ہیں۔

- بیع بالوفاء پر رہن کے متعدد احکام کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے خریدنے والا جائیداد کا حقیقی مالک نہیں ہوتا کیونکہ بیچنے والا جب چاہے جائیداد واپس چھڑا سکتا ہے۔
- بیع نقد بھی ہو سکتی ہے اور موجل بھی۔
- فریقین چاہیں تو مدت مقرر کر سکتے ہیں جس کے بعد بائع کو جائیداد خرید لینے اور قیمت ادا کرنے کا اختیار نہ رہے اور جائیداد پر مشتری کا مستقل حق مسلمہ ہو جاتا ہے۔
- بیع بالوفاء میں جائیداد سے آمدنی اور منافع مشتری کا حق ہے۔ البتہ فریقین چاہیں تو آمدنی اور منافع باہم تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔
- ضروری نہیں کہ قبضہ فوراً ہی مشتری کو دیا جائے۔ قیمت نقد ہو تو قبضہ بعد میں دیا جا سکتا ہے۔
- اگر کسی قرض کے عوض جائیداد بیع بالوفاء کے طور پر قرض دار کے ہاتھ فروخت کی جائے تو رہن ہو گا کیونکہ یہ ربا ہے جس میں قرض دار قرض کے مقابلہ میں اضافی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔
- بیع بالوفاء کو بینکوں کے متعدد معاملات میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک یہ کوئی معیاری اور مثالی لین دین نہیں ہے بلکہ اس میں کراہت کے متعدد پہلو پائے جاتے ہیں۔ شروع دور کے فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا کہ اس سے ربا کے دروازے کھل سکتے ہیں، لیکن بعد کے فقہاء نے بعض شرائط کے تحت اس کی اجازت دے دی۔

(۷) بیع سلم

یہ وہ معاہدہ ہے جس میں قیمت نقد ادا کی جائے اور چیز بعد میں دی جائے۔ قواعد شریعت کی رو سے لین دین کی یہ نوعیت درست نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس میں معدوم چیز خریدی جا رہی ہے۔ لیکن جائز تجارت کی سہولتیں فراہم کرنے اور لوگوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے شریعت نے اس کی ایک استثنائی صورت کے طور پر جائز قرار دیا ہے۔

بیع سلم کی بنیاد قرآن پاک کی آیت میں بالواسطہ اشارہ اور ایک صریح حدیث رسول ﷺ کے علاوہ سنت تقریری ہے۔ صحابہ کرام ؓ بیع سلم کا کاروبار کرتے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلیتہً منع نہیں فرمایا بلکہ بعض اصلاحات کے بعد اس کی اجازت دی۔ بیع سلم کے ضروری احکام اور شرائط درج ذیل ہیں:

- جس چیز کی خرید و فروخت کی جائے وہ معلوم، متعین اور طے شدہ ہو۔

- قیمت کے لیے نقد رقم کا ہونا ضروری نہیں۔ فریقین آپس کی رضامندی سے بطور قیمت کوئی اور شے بھی طے کر سکتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ جو چیز بھی بطور قیمت وصول کی جائے وہ ہر اعتبار سے معلوم، متعین اور طے شدہ ہو اور اس کی نوعیت، قسم، مقدار، تعداد، صفات اور خصوصیات وغیرہ میں سے کوئی چیز مبہم نہ ہو۔
- قیمت فوری طور پر ادا کر دی گئی ہو۔ قیمت کی ادائیگی بھی ادھار ہو تو یہ بیع ناجائز اور کالعدم ہے۔ البتہ امام مالکؒ اتنی رعایت دیتے ہیں کہ اگر قیمت کی ادائیگی میں معاہدہ طے پا جانے کے بعد دو تین روز کی تاخیر ہو جائے تو اس کو نقد ادائیگی ہی سمجھا جائے گا۔
- جن چیزوں کا تبادلہ کیا جا رہا ہے وہ الگ الگ ہوں۔ مثلاً گندم گندم کے بدلہ میں، یا سونا سونے کے بدلہ میں نہ ہو۔ تفصیل بیان ہو چکی ہے۔
- جو چیز خریدی جا رہی ہو اور بعد میں فراہم کی جائے وہ سونا چاندی، کرنسی، روپیہ، سیکور یٹیز، ڈ بنچرز وغیرہ نہ ہوں۔ کیونکہ یہ زر کی حیثیت رکھتی ہیں اور اوپر گزر چکا ہے کہ زر کی خرید و فروخت زر کے ساتھ نقد اور برابر برابر ہونی چاہیے۔
- سامان کی فراہمی کی حتمی تاریخ اور جگہ کا تعین پہلے ہوتا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تم میں سے بیع سلم کرے وہ متعین مقدار، وزن اور مدت کے ساتھ کرے۔ تاریخ حتمی اور واضح ہو۔ مثلاً یہ درست نہ ہو گا کہ جب فصل کٹے گی تو ادا کر دیں گے۔ بلکہ مہینہ اور تاریخ کے حساب سے مدت کا تعین ضروری ہے۔
- جس مال کی فراہمی کا معاہدہ ہو وہ بازار میں دستیاب ہو اور وہ مقررہ وقت اور جگہ پر فراہم ہو سکے۔ ایسی چیز جس کی فراہمی کا امکان مدہم ہو یا فراہم کنندہ کی دسترس میں نہ ہو تو اس کی بیع سلم درست نہیں۔
- فقہاء احناف نے یہ بھی کہا ہے کہ معاہدہ حتمی ہو اور اس میں کسی نظرثانی یا منسوخی کا امکان نہ ہو۔
- جس سامان کی فراہمی کا ذمہ لیا جائے اس کی نوعیت، اوصاف مقدار، تعداد اور مالیت کا تعین ہو سکے۔ نوادرات کی مالیت، نوعیت اور اوصاف کا اندازہ ممکن نہیں ہے اس لیے ان کی بیع سلم درست نہیں۔
- خریدار جوں ہی قیمت ادا کرے چیز یا رقم بائع کی ملکیت ہو جائے گی اور اسے تصرف کے تمام اختیارات حاصل ہوں گے۔
- قیمت نقد نہ ہو اور نہ فوری ادائیگی ہو سکے تو احناف رہن کی وصولی جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ رہن کی

تکمیل فوری ہو جائے اور جائیداد مرہونہ کی قیمت بیع سلم میں دی جانے والی قیمت سے کم نہ ہو۔

بیع سلم کے یہ چند اہم احکام ہیں۔ اس کے ذریعہ ہم رائج الوقت تجارتی اور پیداواری معاملات شریعت کے مطابق ڈھال کر سود کی لعنت ختم کر سکتے ہیں۔ مثالوں سے واضح ہو گا کہ بیع سلم آج کل کیونکر ممکن ہے۔

ایک شخص جوتے کی فیکٹری کا مالک ہے جسے موبلائزیشن' یا نئی مشینری درآمد کرنے کے لیے دس لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ وہ بینک یا کسی بھی سرمایہ کار سے بیع سلم کر سکتا ہے۔ دس لاکھ روپے نقد وصول کر کے وہ مطلوبہ مقدار میں مقررہ مدت میں جوتے فراہم کر دے گا۔ اب بینک یا سرمایہ کار جوتے بازار میں مناسب نفع سے فروخت کر کے اصل مع منافع کے وصول کر لے گا۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح بینک اپنا اصل کام چھوڑ کر تجارتی جھمیلوں میں پڑ جائیں گے جس کے لیے نہ ان کے پاس افراد ہوتے ہیں اور نہ ضروری وسائل۔ بلاشبہ یہ اعتراض وزنی ہے۔ لیکن اس مشکل کے دو حل ہو سکتے ہیں۔

- اصل اور دیرپا حل تو یہی ہے کہ بینکاری کے پورے نظام پر غور کر کے اس کو جدید اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔ اگر شریعت کے مقاصد کے لیے اداروں کی تشکیل نو کرنی پڑے تو ہمیں اس میں تردد نہ ہونا چاہیے۔ بینک اپنے موجودہ فرائض کے ساتھ ٹریڈنگ ایجنسی کے طور پر بھی کام کریں تو بہت جلد وہ ایک ایسا انتظامی اور مانیٹرنگ انفرا اسٹرکچر بنا لیں گے جس سے وہ تجارت کو اسلامی خطوط پر فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔
- تشکیل نو تک تمام بینک ایک مشترکہ فورم یا بیورو بنا سکتے ہیں جہاں ضروری مہارتیں موجود ہوں' تربیت یافتہ افراد کار ہوں اور وہ اپنے رکن بینکوں کے لیے اس طرح کی خدمات انجام دیں۔

(۸) عقد استصناع

یہ بیع سلم سے ملتی جلتی چیز ہے' البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ عقد استصناع میں احکام شریعت کی پابندیاں اتنی سخت نہیں ہیں جتنی بیع سلم میں ہیں۔ عقد استصناع سے مراد پیشگی قیمت دے کر کسی کاریگر یا صنعتکار سے کوئی چیز بنوانا ہے۔ اس کے ضروری احکام یہ ہیں:

- احناف کے نزدیک اس میں قیمت پیشگی اور بروقت بھی دی جا سکتی ہے اور بعد میں بھی دی جا سکتی ہے۔
- چیز کی نوعیت' قسم' مقدار' تعداد' قیمت اور دیگر ضروری اوصاف متعین ہوں۔

- سامان کی فراہمی کے لیے وقت کا حتمی تعین ضروری نہیں' البتہ فریقین از خود مدت کا تعین کر لیں تو اس کی پابندی لازمی ہے۔
- صنعتکار مطلوبہ شرائط و اوصاف کے مطابق مال تیار کر کے نمونہ دکھا دے تو آرڈر دینے والا اسے قبول کرنے کا پابند ہے۔ اس طرح مال تیار ہو کر مشاہدہ میں آ جائے اور وہ آرڈر کے مطابق ہو تو اس کو قبول کرنا لازمی ہے۔

اس غرض کے لیے اگر بینکوں میں صنعتی لین دین کا ایک شعبہ قائم کر دیا جائے جو ممکنہ خریداروں اور صنعتکاروں کے درمیان واسطہ کا کام کرے تو وہ فریقین سے ایک معقول سروس کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اور خود نفع نقصان کے چکر میں پڑے بغیر صنعتکاروں کے لیے ممکنہ (ہول سیل) خریداروں سے رقم فراہم کرا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بینک خود کسی صنعتکار سے عقد استصناع کرنا چاہے اور مال تیار کرا کے ہول سیل والوں کو فروخت کر دے تو بینک کو مناسب نفع حاصل کرنے کا حق بھی ہو گا۔ لیکن یہ سارے کام تب ہو سکتے ہیں جب بینکوں کی نئے انداز سے تشکیل کر دی جائے۔

(۹) مزارعت

مزارعت کو جن شرعی بنیادوں پر جائز قرار دیا گیا ہے وہ قریب قریب وہی ہیں جو مضاربت کو جواز فراہم کرتی ہیں۔ مزارعت کو نئے انداز سے ترتیب دیا جائے تو زرعی قرضوں کے نظام کو شریعت کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ مزارعت کے ضروری احکام اور بنیادی اصول درج ذیل ہیں :

- مزارعت سے مراد زرعی پیداوار حاصل کرنے کا وہ معاہدہ ہے جس میں دو فریق حصہ لیں اور آمدنی مقررہ تناسب سے تقسیم ہو۔ اس معاہدہ میں بڑی حد تک بیک وقت مضاربت' مشارکت اور اجارہ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔
- معاہدہ کے نتیجے میں جو پیداوار حاصل کی جائے اس کی نوعیت معلوم اور متعین ہو۔
- پیداوار مقررہ تناسب سے فریقین میں تقسیم ہو۔
- کسی ایک فریق کو پیداوار کی طے شدہ مقدار یا متعین رقم کی ادائیگی کی شرط نہ رکھی جائے۔
- زمین کا مکمل انتظام اور بندوبست' کام کرنے والے کے سپرد ہو' مالک زمین کا کوئی عمل دخل نہ رہے۔
- مدت معاہدہ کا تعین ہو۔

○ زرعی امور کے تمام اخراجات فریقین کے ذمہ ہوں جو اپنے طے شدہ نفع کے تناسب سے برداشت کریں۔ ہر ایسی شرط کالعدم ہو گی جس کی رو سے اخراجات یا ان کی کوئی قسم کام کرنے والے کے ذمہ ہو۔

مزارعت کو زرعی قرضوں کے لیے استعمال کرنے کے لیے تین ممکنہ اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ زرعی قرضوں کے لیے الگ بینک قائم ہوں جو زراعت کے احکام کے تحت قرضے فراہم کریں۔

۲۔ بینکوں میں زرعی قرضوں کے شعبے ضروری مہارتوں اور ماہر افراد کے ساتھ قائم کیے جائیں۔

۳۔ زرعی قرضوں کا سارا کام زرعی ترقیاتی بینک کے سپرد کر دیا جائے۔ ان میں سے جو بھی صورت اختیار کی جائے اس کی عملی شکل ایک ہی ہو گی۔

زرعی کاموں کے لیے جن لوگوں کو قرضے مطلوب ہوں وہ خود مالکان ہوں گے یا زمین کاشت کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں گے۔ غیر آباد یا کم آباد زمینوں کے مالک اپنا پیداواری یونٹ بینک کے حوالہ کر دیں گے۔ بینک بقدر ضرورت رقم فراہم کرے گا۔ معاہدہ مقررہ مدت کے لیے ہو گا اور آمدنی مقررہ تناسب سے مالکان زمین، آباد کار اور بینک میں تقسیم کر دی جائے گی۔ بینک اپنے منافع میں ان لوگوں کو بھی شریک کرے گا جن کی رقمیں بینک نے زمینوں کی پیداوار پر لگائی ہوں۔

جو حضرات مالک زمین نہ ہوں وہ گروپ کی شکل میں بینک کو فیزی ·بیلٹی رپورٹ پیش کر کے رقم حاصل کریں گے۔ جو پیدواری یونٹ ویٹنگ لسٹ پر ہوں گے ان کو بینک اپنے زرعی ماہرین کے مشورہ سے کاشتکاروں کے سنڈیکیٹ کے سپرد کر دے گا۔ بینک اور اس کے بچت دہندگان کا تعلق مضاربہ کے احکام کے تحت ہو گا، بقیہ دو صورتوں میں بینک کی حیثیت رب الارض (صاحب زمین) کے وکیل یا اجیر کی ہو گی، یا عامل (مزارع، کارکن) کے وکیل یا اجیر کی۔ چونکہ ایک مزارع دوسرے مزارع کو زمین نہیں دے سکتا اس لیے بینک مزارع ہو تو وہ کسی کو مزارعت پر زمین نہیں دے سکتا۔ اس لیے بینک اور دوسری دونوں پارٹیوں کے تعلقات قانون وکالت یا قانون اجارہ کے تحت منضبط ہوں گے۔

اس عمل پر مضاربہ کے احکام جاری ہوں گے اس لیے شرکاء نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوں گے اور کسی آفت کے سبب کوئی آمدنی نہ ہو تو کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس عمل کی کامیابی کا دارومدار عوام پر اعتماد ہے۔ بدقسمتی سے ہمیشہ با اثر اور دولت مند طبقہ کو قرضوں کا مستحق سمجھا گیا جس کا قرضوں کی واپسی کے بارے میں ریکارڈ عبرتناک حد تک غیر حوصلہ افزا رہا ہے۔ اس کے برعکس عوام کی طرف سے سرکاری قرضوں کی واپسی قابل رشک

رہی ہے۔

(۱۰) وقف کے اصول کا استعمال، صرفی قرضوں کے باب میں

اسلامی نظام معیشت میں ادارہ وقف کو قرون اولیٰ میں بکثرت استعمال کیا گیا۔ اس ادارہ سے کام لے کر عوامی مفاد کے ذرائع و وسائل پیدا کیے گئے۔ دینی اور تعلیمی اداروں کو مالی وسائل اور خودمختاری کی ضمانت ادارہ وقف ہی کے ذریعہ دی گئی۔

آج بینکاری اور انشورنس کے کئی مقاصد کی تکمیل ادارہ وقف کے احیاء سے کی جا سکتی ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے

۱۔ بلا سود بینکاری (رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل)، مطبوعہ اسلام آباد

۲۔ سود، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مطبوعہ لاہور

۳۔ مسئلہ سود، مولانا مفتی محمد شفیع، مطبوعہ کراچی

۴۔ حرمت ربوا اور غیرسودی مالیاتی نظام، محمود احمد غازی، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز مرکز F-7، اسلام آباد

۵۔ سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد مرحوم

۶۔ اسلام اور سود، ڈاکٹر انور اقبال قریشی، مطبوعہ لاہور

نوٹ: یہ باب "حرمت ربٰو اور غیرسودی مالیاتی نظام" از ڈاکٹر محمود احمد غازی کی تلخیص ہے۔ حواشی و حوالہ جات کے لیے اصل کتاب ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

ابتدائی کورس		اختصاصی مطالعہ: اصول فقہ کورس	
۱۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ اوّل۔قرآن	۱۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ اوّل)
۲۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ دوم۔سنت	۲۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ سوم۔اجماع	۳۔	قرآن
۴۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ چہارم۔قیاس	۴۔	سنت
۵۔	اجتہاد کی تعریف	۵۔	سنت کی حجیت کا جائزہ
۶۔	اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار	۶۔	اجماع
۷۔	دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل	۷۔	قیاس
۸۔	اسلام کا قانون نکاح وطلاق	۸۔	شرائع سابقہ۔اقوالِ صحابہؓ۔استصلاح
۹۔	اسلام کا قانون وراثت ووصیت	۹۔	استحسان۔استصحاب۔استدلال
۱۰۔	اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ	۱۰۔	عُرف اور سدّ ذرائع
۱۱۔	اسلام کا تصور ملکیت ومال	۱۱۔	حکمِ شرعی ۔۱ (حکمِ تکلیفی)
۱۲۔	اسلام کا تصور معاہدہ	۱۲۔	حکمِ شرعی ۔۲ (حکمِ وضعی)
۱۳۔	اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور	۱۳۔	خاص
۱۴۔	مزارعت اور مساقات	۱۴۔	عام۔مشترک۔حقیقت ومجاز۔صریح وکنایہ
۱۵۔	اسلام کا نظام محاصل	۱۵۔	دلالات
۱۶۔	اسلام کا نظام مصارف	۱۶۔	اسلام کا نظریۂ اجتہاد
۱۷۔	اسلام میں عدل وقضاء کا تصور	۱۷۔	مناہج واسالیبِ اجتہاد
۱۸۔	اسلام کا نظام احتساب	۱۸۔	تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔	اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور	۱۹۔	پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔	اسلام کا تصور جرم وسزا	۲۰۔	فقہ حنفی وفقہ مالکی
۲۱۔	اسلام کا فوجداری قانون	۲۱۔	فقہ شافعی وفقہ حنبلی
۲۲۔	اسلام کا دستوری قانون	۲۲۔	فقہ جعفری وفقہ ظاہری
۲۳۔	اسلام کا قانون بین الممالک	۲۳۔	قواعد کلیہ (حصہ اوّل)
۲۴۔	اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری	۲۴۔	قواعد کلیہ (حصہ دوم)